مرکز احیاء الفکر الاسلامی کا دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماھنامہ

نقوش اسلام

VOL.No.2	جون ۲۰۰۷ء (July, 2007) جمادی الثانی، رجب ۱۴۲۸ھ	Issue.No .5

زیر سرپرستی

مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسار پوری

عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم رائے پوری

مجلس مشاورت

☆ مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی ☆ مولانا محمد عامر صدیقی ندوی

☆ مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی ☆ مولانا محمد صالح جی

☆ مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی ☆ مولانا حافظ محمد ایوب کاڑوا

☆ الحاج موسیٰ بھائی درسوت ☆ مولانا محمد اختر قاسمی

مجلس ادارت

☆ مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی ☆ مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری

☆ مولانا حمید اللہ قاسمی کبیر نگری ☆ مولانا محمد نظام الدین ندوی

چیف ایڈیٹر: محمد مسعود عزیزی ندوی

مدیر انتظامی: حافظ عبدالستار عزیزی

مدیر معاون: ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے

فی شمارہ .... ۱۰؍روپے

سالانہ .... ۱۰۰؍روپے

خصوصی .... ۳۰۰۰؍روپے

ایشیائی، یورپی افریقی و امریکی ممالک کے لیے ۲۰؍ڈالر

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

NUQOOSH-E-ISLAM

MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129

(U.P)INDIA.Ph.0132.2775452.Cell.09719831058

نقوش اسلام، مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفر آباد، سہارنپور (یوپی) انڈیا

PRINTED PUBLISHED AND OWNED BY MOHD.MASOOD AZIZI NADWI

PRINTED AT UNION PRESS DEOBAND AND PUBLISHED AT MUZAFFARABAD SRE

EDITOR:MOHD. MASOOD AZIZI NADWI

npage24\A017 not found. Border\BISMIL01\001. not found. npage24\A017 not found.

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		۳
صدائے دل	محمد مسعود عزیزی ندوی	
فکروعمل		۵
مسلم معاشرہ اور مغربی فکر وثقافت	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	
جائزہ		۸
عورت کا تصور اسلامی قوانین.....	مولانا محمد برہان الدین سنبھلی	
غوروفکر		۱۳
طلباء میں بے مقصدیت کا ذمیدار کون؟	امین الدین شجاع الدین	
اقبالیات		۱۵
دل میں صلوۃ ودرود لب پہ صلوۃ ودرود	محمد بدیع الزماں	
مکتوبات اکابر		۱۷
مکتوبات حضرت مولانا ناصر علی صاحبؒ	محمد مسعود عزیزی ندوی	
دعوت اسلام		۱۹
امراء وسلاطین کے نام خطوط	مولانا فتح محمد ندوی ندوۃ العلماء لکھنؤ	
اصلاحیات		۲۵
اصلاح معاشرہ اور خواتین	مولانا اسرار الحق صاحب	
تاریخ کے دامن سے		۲۷
مسلم سائنسداں ادریسی......	محمد سراج الدین بنگلور	
مراحل زندگی		۲۸
روشن مستقبل کا جوان	سیف اللہ راشد دوبئی	
اعتراف وتقدیر		۳۱
نقوش اسلام پر تبصرہ	مولانا عبد القیوم حقانی	
اخلاق وعادات		۳۲
حسن اخلاق ایک قیمتی جوہر ہے	حمید اللہ قاسمی کبیر نگری	
ایمان کی بادبہاری		۳۴
ایک ڈنمارکی خاتون کا قبول اسلام	مولانا محمد نظام الدین ندوی	
حقائق		۳۶
دامن پہ کوئی چھینٹ نہ خنجر پہ کوئی داغ	مولانا خورشید عالم داؤد	
حق وباطل		۴۰
علم وفضل کی معرکہ آرائی	مولانا محمد عمر صاحب مجاہد پوری	
تبصرے		۴۶
نئی کتابوں پر تبصرہ	محمد مسعود عزیزی ندوی	
مراسلات	(ادارہ)	۴۷
حالات حاضرہ		۴۸
عالمی خبریں	حافظ عبد الستار عزیزی	

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین	(فل سائز)............	۳۰۰۰
// // اول اندرونی	// //	۲۵۰۰
// // آخر اندرونی	// //	۲۰۰۰
صفحہ اندرونی	(فل سائز)	۱۰۰۰
آدھا صفحہ اندرونی	....	۶۰۰
¼ صفحہ //	....	۴۰۰

E.mail:masood_azizi@rediffmail.com --------- nuqooshe_islam@yahoo.co.in

پرنٹر پبلیشر محمد مسعود عزیزی ندوی نے یونین آفسٹ پریس دیوبند میں طبع کرا کے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفر آباد سے شائع کیا

کمپوزنگ اینڈ ڈیزائینیگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر، مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

اداریہ

صدائے دل

محمد مسعود عزیزی ندوی

امت مسلمہ کے دو طبقے ہیں، ایک طبقہ خواص کا ہے جس میں علماء، اہل مدارس اور ائمہ مساجد آتے ہیں، دوسرا طبقہ عوام کا ہے، جس میں عام مسلمان، جدید تعلیم یافتہ حضرات، دانشور اور ناخواندہ لوگ شامل ہیں، آج کے زمانے میں دونوں طبقوں کا جائزہ لیا جائے تو بعض مرتبہ دونوں میں عدم اعتماد، ایک دوسرے سے دوری، بلکہ کبھی تو بعد المشر قین کا معاملہ ہو جاتا ہے، اس کے جہاں بہت سے اسباب ہیں، وہیں منصوبہ بند طریقے سے ایک سازش بھی ہے، جو اسلام دشمنی کے طور پر اغیار کی طرف سے کی جارہی ہے، وہ اس طرح کہ علماء اسلام سے امت مسلمہ کے اعتماد و بھروسے کو متزلزل کرکے اور ان کی شبیہ کو مختلف انداز سے خراب کرکے عوام کے سامنے پیش کیا جائے، اس میں ایک تو ذرائع ابلاغ اہم رول ادا کرتا ہے، دوسرے امت کا نام نہاد دانشور طبقہ ہے جس کی ساخت و پرداخت ہی مغرب کے رحم وکرم پر اور اس کے ماحول میں ہوئی ہے، وہ گھر کے بھیدی ہو کر اور صاحب البیت ادری بما فیہ کے پیش نظر اور اپنی دانشوری اور جدیدیت کے زعم میں آکر سادہ لوح مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ بسا اوقات اچھے خاصے پڑھے لکھے مسلمانوں کو اپنے جھانسے میں لے لیتے ہیں اور علماء کو قدامت پرست، رجعت پسند، پرانی سوچ کے حامل اور صرف مدرسوں کے مولوی ملا کے نام سے بتلا کر عوام کی ذہن سازی کرتے ہیں؛ کیونکہ درحقیقت اس گئے گذرے دور میں بھی امت کا سواد اعظم اپنے علماء ہی کی بات کو تسلیم کرتا ہے، خواہ مسئلہ اجتماعی زندگی کا ہو یا انفرادی زندگی کا، ہر مسئلہ میں اور کٹھن موقع پر وہ علماء اسلام ہی سے رجوع کرتے ہیں، اس لیے اس کیفیت کو ختم کرنے کی بہت سی سازشیں رچی جارہی ہیں۔

امت کے خاص طبقے کا اگر جائزہ لیا جائے تو اس طبقے میں بھی بہت سی ایسی چیزیں درآئی ہیں، جو ان کے شان عالی، ان کے مقام رفیع اور منصب عظیم کے بہر حال خلاف ہیں، بلکہ بقول شخصے آج کل طبقہ خاص کے تین گروپ ہیں، پہلا گروپ جو اپنے علم و عمل، سیرت و کردار اور ہشت پہلو شخصیت کے اعتبار سے نمبر ایک پر ہے، اس کا فیض یوروپ، امریکہ، کناڈا اور برطانیہ وغیرہ جیسے ممالک کے لوگوں کے لیے خاص ہے، وہ وہاں جانے کے لئے ہر وقت تیار ہیں، دوسرا گروپ جو متوسط درجے کا ہے اس کا فیض ممبئی، بنگلور، مدراس اور ہندوستان کے ہر بڑے شہر کے لیے مختص ہے، تیسرا گروپ جو ادنی درجے کا یا بالفاظ شخصے تھیلا چھاپ ہے، وہ بیچارے عامۃ الناس اور قرب وجوار کے لوگوں کے حصہ میں ہے۔

عام اہل مدارس خاص طور پر جب سے مدارس کے لیے مادیت کے بیرونی دروازے کھلے ہیں، جس جگہ مدرسہ قائم ہیں وہاں کے لوگوں سے کٹ کر رہ گئے ہیں، جس کی وجہ سے بڑے سے بڑے مدرسہ کا فائدہ مقامی طور پر کم یا نہ ہونے کے برابر ہے بلکہ مقامی سے ہٹ کر دوسرے لوگوں کو فائدہ ہو رہا ہے، وہ بھی اس حد تک کہ وہاں کے بچے پڑھتے ہیں اور ان کے وارثین کبھی کبھی بچے سے ملنے کے لیے مدرسہ چلے جاتے ہیں جس سے ان کو مدرسہ کی درودیوار کی زیارت ہو جاتی ہے، یا کبھی کبھی بچے کے متعلقہ استاذ سے بھی مل لیتے ہیں اور ہاں اگر بچے کو کوئی شکایت یا تکلیف ہے تو اس بہانے سے وہ ذمے دار سے بھی مل لیتے ہیں اور بس!

مقامی طور پر مدارس کے فائدہ نہ ہونے کے کئی وجوہ ہیں، ایک تو یہ کہ مدرسہ والے مقامی لوگوں کے چندے کے محتاج نہیں رہے، اس لیے مقامی عوام سے مل کے کیا فائدہ؟ یا اگر کسی جگہ کسی مدرسہ والے نے بعض عوام سے رابطہ کرنے کی کوشش کی یا اس سے ملاقات کی، یا اس کو مدرسے کے کسی پروگرام میں بلایا، یا اس سے کوئی مشورہ طلب کیا، تو وہ بے جا دخل اندازی کی کوشش کرتا ہے، گوکہ بعض مرتبہ اچھی خاصی رقم کی رسید بھی کٹواتا ہے، مگر وہ اپنی بات بھی منوانا چاہتا ہے، پھر اگر اس کی مقصد برآری نہیں ہوئی یا اس کے مزاج کے خلاف معاملہ ہوتا ہے تو وہ بدظن ہو جاتا ہے، اور وہ مدرسہ اور اہل مدرسہ کے حق میں مخلص نہیں رہتا۔

کبھی دوسری وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مدرسہ تو فلاں خاندان کے فلاں آدمی کا ہے، اس لیے ہم کیوں جائیں یا یہ کہ اس نے کیوں قائم کر لیا، یہ تو فلاں کا بچہ ہے، غرضیکہ بہت سی وجوہات ہوتی ہیں عدم استفادہ کی جس کی وجہ سے نہ مدرسہ والوں کا مقامی لوگوں سے ربط ضبط اور نہ مقامی لوگوں کی مدرسہ کے حق میں خیر خواہی اور مدرسہ سے فائدہ اٹھانے کی سوچ اور فکر، اسی لئے بعض جگہیں ایسی بھی ہیں کہ وہاں اچھا خاصہ بڑا مدرسہ ہے، کئی سو طلبہ باہر کے پڑھتے ہیں، مگر مقامی لوگوں میں دینداری نہیں، تعلیم نہیں، جہالت ہے پسماندگی ہے، حالانکہ باہر کے لوگ بھی وہیں سے فائدہ اٹھا کے جارہے ہیں، یہ امت کے افسوس ناک پہلو ہیں، جن میں تبدیلی انتہائی ضروری ہے، ورنہ خواص اور عوام کے درمیان دوری بڑھتی جائے گی، جس کا نقصان دونوں طبقوں کو اٹھانا پڑے گا۔

امت کے دونوں طبقوں میں خاص طور پر طبقہ خاص کے بعض مخصوص اور مخلصین کے گروہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کی دینی خدمات اور ایک دوسرے کی کاوشوں اور ایک دوسرے کے رفاہی، دعوتی، تبلیغی اور تعلیمی کاموں کو دیکھ کر یا سن کر پیشانی میں بل آجاتے ہیں، ایک دوسرے کی چیزوں کو سراہنے اور اعتراف کرنے کی صلاحیت یا جذبہ مفقود ہے، بعض مرتبہ آدمی خود انتہائی مخلص، خادم دین، علم وعمل کا پیکر اور امت کی فکر کے جذبہ کا حامل اور قوم کی اصلاح کا دم بھرتا ہے، مگر جب اس کے سامنے کسی عامل خیر اور اس کی دینی جدوجہد کا تذکرہ ہوتا ہے، تو اس کو بہت گراں معلوم ہوتا ہے، کبھی تو وہ بادل ناخواستہ طوعاً و کرہاً سن لیتا ہے اور کبھی ایسا طریقہ اختیار کرتا ہے جس سے اس کے گوش گراں بار نہ ہوں، اور وہ کسی دوسرے شغل میں مشغول ہو جاتا ہے، ایک بزرگ کا قول ہے کہ اگر کوئی کسی دوسرے ادارے یا مدرسے کی خدمات کو سن کر پیشانی میں بل لاتا ہے، تو وہ مخلص نہیں ہوسکتا۔

مذکورہ دونوں طبقوں سے متعلق جو باتیں پیش کی گئی ہیں یہ قاعدہ کلیہ تو نہیں، اس میں مستثنیات بھی ہیں، اس لیے جو باتیں ذکر کی گئی ہیں عام طور پر ایسا ہوتا ہے، خواص عوام کی طرف دست شفقت بڑھائیں، ان کی ضروریات اور پریشانیوں اور تکلیفوں کو سمجھیں، ان کے مسائل کا حل تلاش کریں اور ان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی سوغات پیش کریں اور عوام سے گزارش ہے کہ وہ خواص سے تعلق قائم کریں، ان کو اپنا مقتدا اور رہنما تسلیم کریں، ان کی ہر جائز آواز پر لبیک کہیں اور ان سے اپنا اعتماد بحال کریں، بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں ان کی آراء ومشورے سے کام کرے تو انشاء اللہ خیر ہی خیر ہوگا، پھر دونوں طبقے بنیان مرصوص ہو جائیں گے، اور کوئی بھی باطل طاقت اور خارجی کوشش وسازش مسلمانوں کو نقصان نہیں پہونچا سکتی، خدا کرے کہ یہ آواز صدا بصحراء ثابت نہ ہو بلکہ ہر مخلص ومفکر مسلمان کی آواز ثابت ہو اور ہر ایک اس کی فکر کر کے اصلاح کی کوشش کرے، اللہ تعالی امت کا شیرازہ بکھرنے سے محفوظ فرمائے اور خواص وعام میں اتحاد واتفاق اور جوڑ پیدا فرمائے، اور مسلمانوں کا بول بالا فرمائے۔

فکروعمل

مسلم معاشرہ اور مغربی فکر وثقافت

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مسلمانوں کے لیے علوم انسانی کے میدان میں مناسب یہ ہے کہ اولاً اس سرمایہ پر توجہ مبذول کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اوران کی تعلیمات ،صحابہ کرام ،تابعین عظام نیز اس راہ پر چلنے والے ادباء، علماء، محققین اور مفکرین اوراصحاب سیاست وسماجیات سے حاصل ہوا ہے ، پھر یورپ کے قدیم وجدید علوم میں سے تقاضائے زندگی کے مطابق کچھ چیزیں لیں جو ان کی طبیعت سے ہم آہنگ اور ان کے لئے مفید ہوں ، یہی طریقہ مسلمانوں کے عظیم الشان تاریخی مقام ومرتبہ اورانسانی شرف وکرامت کے شایان ہیں ،لیکن ان آخری صدیوں میں مشرقی اقوام اور مسلم امت سخت پسماندگی کے دور سے گزری، وہ وسائل زندگی سے محروم تھی اور کمزوری وذلت کا شکار ، جب کہ یورپین اقوام فاتحانہ شان وعظمت کے ساتھ آگے بڑھیں ، اپنے استعماری مقاصد کے لیے ملکوں کو فتح کیا ، وہاں کے خزانوں پر قبضہ کیا اور دوسری اقوام کو اپنی تقلید کے آستانہ پر جھکا دیا، ان سب حالات نے مسلم اقوام کو مرعوب کر دیا ، وہ سمجھنے لگیں کہ یقیناً یورپ ہی کی کاوشوں کے نتیجہ میں زندگی کے علوم ومعارف وجود میں آئے ہیں اور ان ہی سے دوری نے مشرقی اقوام کو پسماندگی ، سستی اور کاہلی کا شکار بنایا ہے ، اقوام مسلم نے ساتھ ہی یہ بھی گمان کرلیا کہ یورپ اس بات کا مستحق ہے کہ زندگی کے ہر میدان میں اس کی اتباع کی جائے ، ہر صنفِ علم میں اس کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا جائے اور یورپ کی علمی ترقیات، لادینی نظام اوراباحیت پسندانہ کردار سب میں اس کی تقلید کی جائے ، یہ سوچ کر بعض مشرقی اقوام نے زندگی کے گوشوں اوراس کی تمام شکلوں میں یورپ کی اتباع کی اور یورپ ہی کی مقلد چینی اور جاپانی قوم کو بھی معیار سمجھا، چین وجاپان کے پاس خود نظام زندگی نہیں تھا، اس تقلید ہی کو انہوں نے اپنے لیے معیار بنایا۔

لیکن امت مسلمہ کا معاملہ دوسرا تھا وہ اسلام کا دائمی آسمانی دستور حیات رکھتے تھے، ان کے لیے اس بات کا جواز نہیں تھا کہ ادنی پر فریفتہ ہوکر وہ اعلی کو چھوڑ دیں:" أتستبدلون الذی ھو أدنی بالذی ھو خیر"(البقرہ آیت ۶۱) بھلا عمدہ چیزیں چھوڑ کر ان کے عوض ناقص چیزیں کیوں چاہتے ہو؟۔

اس اقدار اور تعلیمات سے منہ پھیریں ، البتہ دنیاوی امور میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اجازت دے رکھی تھی کہ " إنہ من أمر دنیاکم " یعنی تمہارے دنیاوی تجربے اور انکشافات جن کا اخلاق ، ثقافتی اور دینی میدانوں سے تعلق نہیں ہے ان سے تم فائدہ اٹھا سکتے ہو، اس لیے مسلمانوں پر یہ لازم تھا کہ وہ یورپ کی تقلید ان انسانی علوم میں کرنے سے پوری طرح گریز کریں، جو انہیں نقصان پہنچانے والے اوران کے اخلاق کو بگاڑنے والے ہوں، اسلام کا نظام اخلاق اور دستورِ زندگی اسلام کی بلند آسمانی تعلیمات پر مبنی ہیں ، بے راہ انسانی افکار پر نہیں ، اسلام کی نظر میں انسان خدا کا بندہ ہے، اس کی تخلیق بے مقصد نہیں ہوئی ہے، اس پر زندگی کے کچھ اصول وضوابط عائد کئے گئے ہیں، جو اس کی پوری زندگی پر محیط ہیں ، چونکہ اللہ ہی انسان کا خالق ہے ، اس لیے وہ انسان کی ضروریات، اس کے تقاضوں اوراس کے طبعی میلانات کو اچھی طرح جانتا ہے، اگر خدا انسان کے لیے کوئی نظام زندگی تجویز کرتا ہے تو بلا خوف تردید یہ بات کہی جائے گی کہ وہی نظام اس کی طبیعت وفطرت سے ہم آہنگ ، اس کے تقاضوں کا پورا کرنے والا اور اس کی

ضروریات کا کفیل ہوسکتا ہے، لہٰذا ایک فردِ مسلم کے لیے اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت سے مفر نہیں، اسے بہر حال آستانۂ اطاعت پر سرخم کرنا ہے، لیکن اگر وہ یورپ کی تقلید کا دامن پکڑتا ہے تو اسے راہ زندگی میں ایسی گھاٹیاں پیش آئیں گی جو آسمانی نظام زندگی کی اتباع سے روک دیں گی، اب دو ہی صورتیں ہیں، یا تو ملحدانہ لادینی نظام زندگی کی بالکل اندھی اتباع کی جائے اور موجودہ تہذیب کا حاشیہ بردار بن کر وقت گذارا جائے، یا اپنے لیے اس راہ کا انتخاب کیا جائے جسے قرآن وحدیث کی تعلیمات نے ہموار کیا ہے اور ایک قائد ورہنما بن کر زندگی بسر کی جائے۔

لیکن قابل افسوس امر یہ تھا کہ مسلم انسان جو مسند قیادت پر ایک عرصہ رہ کر سوگیا تھا پھر صدیوں کی گہری نیند کے بعد ایسے وقت میں بیدار ہوا، اس کی بیداری کے وقت یورپ ترقی وعمل کی راہوں پر بہت آگے بڑھ گیا تھا، چنانچہ وہ جدید یورپ کی تہذیب کی چمک دمک، کائنات کے علوم میں اس کی حیرت انگیز ترقی اور انسانی علوم سے حد درجہ اشتغال کو دیکھ کر دہشت زدہ ہوگیا، اس نے دیکھا کہ یورپ نے قوت کے سرچشموں اور مادی خزانوں کو فتح کرلیا ہے، مشینی علوم میں نئی نئی پیش رفت کی، اس کی سیاسی سطوت کا آفتاب نصف النہار پر ہے اوراس کے نظریہ وفکر کی دھوم مچی ہے، یہ دیکھ کر وہ احساس کمتری کا شکار ہوگیا اور اسی میں اپنی عافیت تصور کرنے لگا کہ اس کی تقلید کا جوا اپنی گردن میں ڈال لے، تعلیم وتربیت میں جوں کا توں اس کا نظام اپنالے، اس نے اس کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی کہ کون سی چیزیں ہمارے موافق اور ہمارے دین ومذہب سے میل کھاتی ہیں اور کون نہیں، اس نے تقلید کی رسی بالکل ڈھیلی چھوڑ دی، یورپ کا مکمل نظام تعلیم، نظام تربیت اور اس کے انسانی علوم کو جوں کا توں اپنی درس گاہوں میں اختیار کرلیا، اگر ان کے طے کردہ افکار کے بدلے کوئی دوسرے افکار تیار بھی کئے گئے تو اسی کے نہج پر۔

آج بھی عالم اسلام کی درسگاہیں یورپین افکار وتصورات، یورپین علماء کے انکشافات اوران کی تحقیقات کی خوشہ چیں ہیں، ان درس گاہوں کے ارباب ومنتظمین کوان یورپین علوم کی پاکیزگی پر یقین ہے اورانہیں اس بات کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی کہ اپنی نسلوں کو یورپین تہذیب وثقافت کے سانچہ میں ڈھلنے سے بچائیں، جس سانچہ کو مغرب کے ان مفکرین وفلاسفہ نے تیار کیا تھا جن کے خمیر میں صالح انسانی اخلاق کا عنصر شامل نہ تھا۔

اگر ہم اسلامی مشرقِ اقصیٰ سے اسلامی اقصیٰ تک کا ایک جائزہ لیں تو یہ افسوسناک امر سامنے آئے گا کہ وہاں کی درسگاہوں، تربیت کے مراکز اور نظام ونصاب تعلیم سب کے سب یورپین نظام کے مطابق اصل نسخہ ہیں جس میں یورپ کی وہ تمام خرابیاں اوراس کی وہ تمام خصوصیتیں موجود ہیں جو مشرق اور اسلام دونوں کے معارض ہیں۔

علم معاشیات وسیاست، علم تاریخ وجغرافیہ، فن ادب ونقد، علم النفس اور علم تربیت، علم ثقافت وتمدن وغیرہ میں ہم دیکھتے ہیں یورپ کی جاہلی عقلیت اور اسلوب زندگی کا بڑا گہرا اثر ان پر پڑا ہے، جاہلیت یہاں بھی اور جاہلیت قبل از اسلام کفر کے ماحول میں بھی تھی، فرق اس قدر ہے کہ یورپ کی جاہلیت تعلیم یافتہ ہے اور قبل اسلام جاہلیت ان پڑھ جاہلیت تھی، ہماری رائے کی صداقت کے لیے ان یونیورسٹیوں اور درسگاہوں میں علوم ومعارف انسانی کا نصاب دیکھنا کافی ہوگا۔

علم معاشیات پر سب سے زیادہ بلکہ بری طرح یہودی سودی فکر، یا ملحدانہ مارکسی فکر کا اثر آیا، غیر سودی اداروں کا قیام چند سالوں پہلے ایک جھوٹا خواب تصور کیا جاتا تھا، بلکہ اسے درویشوں اور پسماندوں کا تصور خیال کیا جاتا تھا؛ لیکن آج دنیا دیکھ رہی ہے کہ حق ظاہر ہوا اور باطل مغلوب، غیر سودی بینک اس وقت ایک واقعہ بن کر سامنے آچکے ہیں، جن سے انکار ممکن نہیں، دنیا کے مختلف خطوں میں کچھ لوگ اس کا کامیاب تجربہ کررہے ہیں ''کارل مارکس'' کا نظریہ تھا کہ مذہب قوموں کے لیے افیون ہے اور ضروریات زندگی کی تکمیل کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے، لیکن آج غیر سودی اداروں کی کامیابی نے اس

نظریہ کو غلط ثابت کردیا ہے۔

جمہوریت کو لیجئے ، یورپ نے ''روسو'' کے نظریات قبول کئے، معاشیات کو لیجئے یورپ نے ''مارکس'' کا نظریہ اپنایا، سیاست کو لیجئے یورپ نے ''میکافیلی'' کا نظریہ اپنایا، مغربی اہل قلم اور مصنفین سے استفادہ کرنے والوں نے ان نظریات کا بڑا اثر قبول کیا؛ کیونکہ ان کی پوری تشریحات اپنے پڑھنے والوں کے دلوں میں زبردست اثر ڈالتی تھی، کچھ ہی عرصہ میں ایسا محسوس ہونے لگا کہ اسلام کے پاکیزہ نظام پر عمل کرنا ہی اب ممکن نہ رہا اور ترقی کے زینے طے کرنے کے لیے تنہا مغرب سے استفادہ ضروری ہوگیا، ہمارے نوجوان اور طلبہ اپنی درسگاہوں میں اور اپنے اساتذہ سے اسی قسم کی تربیت حاصل کررہے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی ممانعت فرمائی تھی کہ کسی طالب علم کو منصب وعہدہ سپرد کیا جائے، اس طرح آپ نے جاہ ودولت کے لالچیوں کے لیے دروازہ ہی بند کررکھا تھا، لیکن مغرب کا نظریہ منصب کے حصول کے لیے یہ تعلیم دیتا ہے کہ نہ صرف اس کا مطالبہ کرے بلکہ اس کو حاصل کرنے کے لیے کوشش کے سارے جتن کر ڈالے، امیدوار تمام ذرائع کو اختیار کرتا ہے، پروپیگنڈہ اور جھوٹ کا بازار گرم کردیتا ہے، تاکہ ہر صورت میں وہی کرسیٔ صدارت پر فائز ہو سکے، اور اگر قسمت نے یاوری کی اور کرسی تک پہنچ گیا تو پھر اس کی تمام تر کوششوں کا محور یہ ہوتا ہے کہ کن کن طریقوں سے دولت ومناصب کے انبار وہ اکھٹے کرلے، اس کے لیے ظلم، زبردستی، دھوکہ وچال بازی کے تمام طریقوں کو اختیار کرنا چاہتا ہے، افسوس ناک بات یہ ہے کہ آج لوگوں کا دماغ ان چیزوں کا ایسا عادی ہو چکا ہے کہ اسے کسی بدل کی امید ہی نہیں رہ گئی ہے، یورپ کے پروپیگنڈہ نے اسلام کے نظریہ کو ایسا مشکوک بنا کر پیش کیا ہے جس پر عمل کرنا گویا ترقی یافتہ زندگی میں ممکن ہی نہیں رہ گیا ہے۔

تاریخ کے موضوع کو لیجئے تو اس موضوع کا سب سے اہم حصہ یورپ کی تاریخ ہے اسی کو زیادہ جاننا اور اس سے فیض اٹھانا ہے، تعلیم گاہوں کے ہر فرد پر گویا یہ لازم ہوجاتا ہے کہ یورپ کی پوری تاریخ تمام جزوی تفصیلات کے ساتھ پڑھے، اب اگر وہ اپنی امت اور اپنے ملک کی تاریخ سے ناآشنا ہے تو کوئی عیب کی بات نہیں، رہی اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ تو اس کا نمبر سب سے بعد میں آتا ہے۔

یہی حال جغرافیہ کا ہے، مسلم طالب علم اپنی جامعات میں یورپ اور امریکہ کا جغرافیہ پڑھتا ہے، یا ان ممالک کا جغرافیہ جو سیاسی یا اقتصادی اعتبار سے کوئی افادیت نہیں رکھتا ہے، رہے اخلاقی اور دینی پہلو، اسی طرح انسانی آداب وامتیازی صفات مغربی نصاب تعلیم کے تیار کرنے والوں اور تعلیمی نظام وضع کرنے والوں کی نظروں سے اوجھل ہی رہتے ہیں۔

آج سے ایک صدی قبل جزیرۃ العرب کے جغرافیہ کی کوئی اہمیت نہ تھی، مواد تلاش کیا جاتا تو جس قدر مواد دوسرے جغرافیوں کا ملتا جزیرۃ العرب پر نہ ملتا، لیکن جب خدا نے جزیرۃ العرب میں سیال سونے بہادیئے تو اب اس کا جغرافیہ بھی تیار کیا جانے لگا۔

ادب وتنقید کے موضوع پر تو کچھ کہئے ہی نہیں، ان موضوعات پر کتابیں اٹھایئے سب کچھ ملے گا، اگر نہ ملے گا تو اسلام؛ کیونکہ ان پر ان لوگوں کا تسلط رہا جو اخلاق ومذہب سے بیگانہ تھے بلکہ وہ تھے جنھیں فرائیڈ، سارٹر کے افکار ونظریات پر ناز تھا۔

علم النفس اور علم تربیت تو فرائیڈ اور ڈارون کے نظریات میں رنگے ہوئے ہیں، یہی حال ثقافت وتمدن کا ہے۔

یورپ کی تعلیم گاہوں اور مراکز تعلیم کا جب یہ حال ہے تو وہاں چھڑنے والی سیاسی وسماجی معرکہ آرائیاں دین وحکومت کی آویزش اور اخلاقی انارکی کا انجام معلوم تھا، لیکن مشرق جو فضائل زندگی کی دولت سے فیضاب تھا، اسے یورپ کی اندھا دھند تعلیم کی ضرورت نہ تھی، اسلام نے اس کے ہر شعبہ زندگی کے لیے تعلیمات اور ضوابط عطا کررکھے تھے، ایسی بنیادیں اس کو فراہم کردی گئی تھیں جن پر انسانی زندگی کی عظیم الشان عمارتیں تعمیر کی جاسکتی ہیں۔ ﴿بقیہ صفحہ ۳۹ پر﴾

جائزہ

عورت کا تصور اسلامی قوانین کی نظر میں

مولانا برہان الدین سنبھلی شیخ التفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

اسلام میں عورتوں کا کیا مقام ہے اوران کے لئے شرعی قوانین میں کیسی کیسی رعایتیں دی گئیں ہیں، اس کے بارے میں قرآن مجید کے اندر صاف طریقے سے بیان کیا گیا ہے "خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا" کہ عورت اور مرد دونوں ایک ہی نفس سے پیدا کئے گئے ہیں، اس لیے دونوں ہم جنس ہیں، ایسا نہیں کہ عورت کسی اور جنس سے ہو (مثلاً حیوان ہو) اور مرد دوسری جنس سے؛ بلکہ دونوں ہی انسانیت کے رشتہ سے برابر ہیں، اسی طرح حدیث نبوی میں "النساء شقائق الرجال" فرما کر اسی کی تصریح وتوضیح فرما دی گئی، چنانچہ اسلام کے تمام احکام میں صنفی اور طبعی فرق کا لحاظ کرتے ہوئے دونوں کے لیے یکسانیت برتی گئی ہے؛ بلکہ اسلام کے تمام قوانین پر اگر گہری نظر ڈالی جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ عورتوں کو کچھ زیادہ ہی رعایتیں دی گئی ہیں، عرب جاہلیت میں لڑکیوں کی پیدائش کو بڑے عیب کی بات سمجھی جاتی تھی، اس کے بالمقابل اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدایات دیں، مثلاً فرمایا" من بلی من هذِه الُبنات شيئاً فاحسن اليهن كن له ستراً من النّار"۔ (صحیح بخاری جلد۲ رصفحہ ۸۸۷)

یعنی جو شخص لڑکیوں کی بہترین طریقہ سے سرپرستی کرے (تربیت دے) اور اچھا برتاؤ کرے گا وہ جہنم میں نہ جائے گا، ایک اور حدیث میں یوں فرمایا "من كانت له ثلاث بنات أو ثلاث اخوات أو ابنتان أو اختان فأحسن صحبتهن واتقى الله فيهن فله الجنة" (ترمذی جلد۲ رصفحہ ۱۳-۱۴ مکتبہ رشیدیہ دہلی)

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: "من عال جاريتين دخلت أنا وهو الجنة كهاتين أشار باصبعيه "(ترمذی جلد۲ صفحہ ۱۳)

یعنی جو شخص دو تین بہنوں یا لڑکیوں کی بہترین طریقہ پر تربیت کرے اور کسی طرح کی زیادتی نہ کرے، وہ جنت میں جائے گا، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا قریب ہوگا جتنی ایک ہاتھ کی دو برابر کی انگلیاں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس شوق انگیز بیان کے بعد بھلا کون سچا مسلمان ہوگا جو لڑکیوں اور بہنوں کی پرورش میں کوتاہی کرے اور دلچسپی نہ لے، ان ہدایات کا یہ اثر ہوا کہ غیر شادی شدہ لڑکیاں اسی خطۂ عرب میں جہاں زندہ درگور کی جاتی تھیں وہ معزز کہلانے لگیں، مزید یہ کہ اس صنف نازک کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کے سلسلہ میں قرآن یہ فرماتا ہے "عاشروهن بالمعروف" عورت کے ساتھ بھلے طریقہ سے زندگی گزارو۔

مطلب یہ ہے کہ عورت کے ساتھ اچھے برتاؤ کرنے کے حکم کا تقاضہ صرف یہ نہیں ہے کہ مرد عورت کو اذیت نہ پہنچائے؛ بلکہ اس کے اندر یہ بھی داخل ہے کہ اگر عورت کی طرف سے کوئی تکلیف دہ بات پیش آئے تو اسے برداشت کرے، امام غزالیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے بالکل قریب جب کہ زبان مبارک پورا ساتھ بھی نہیں دے رہی تھی، اس وقت جو چند اہم نصیحتیں امت کو فرمائی ان میں عورت اور غلاموں کے ساتھ بہتر برتاؤ کرنے اور ان کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنے کی بھی تھی۔

عورت کے ساتھ بہتر برتاؤ کرنے، اس کے ساتھ عزت واحترام اور دلجوئی کا معاملہ کرنے کا حکم اس کی صنفی نزاکت کے لحاظ ورعایت کی

بنا پر ہی ہے؛ کیونکہ نازک چیز کی رعایت زیادہ ہوتی ہے، ایک حدیث صحیح میں انھیں قواریر (آبگینہ) فرمایا گیا ہے، اس طرح ان کی نزاکت کا اعتراف آخری درجہ میں کیا گیا ہے، اس بنیاد پر اسے کسب معاش کی مشقتوں سے بچایا گیا اور اس کا نفقہ کسی نہ کسی مرد کے ذمہ کر دیا گیا، شادی سے قبل والد پر، والد نہ ہونے یا اس کے اخراجات برداشت کرنے کے لائق نہ ہونے کی صورت میں حسب اصول وراثت دادا، چچا، بھائیوں وغیرہ پر، شادی کے بعد شوہر پر، شوہر سے علیحدگی کی شکل میں عدت کے درمیان کے تمام اخراجات شوہر کے ذمہ، شیر خوار بچہ کی موجودگی میں عدت کے بعد بھی جب تک بچہ ماں کا دودھ پیتا رہے، نیز بچہ کے اخراجات بھی اس کے سابق شوہر پر ہی ہیں، اولاد نہ ہو تو پھر شادی سے قبل کی طرح والد یا دیگر رشتہ داروں پر لازم ہوتے ہیں، جن پر اخراجات لازم ہیں وہ رضا کارانہ نہیں بلکہ ان پر شرعاً واجب ہوتے ہیں۔

عورت کے اختیارات:

اسلام میں عورت کے عزت واحترام نیز حقوق کا اندازہ کر لینا مشکل نہ رہا ہوگا، اس کے بعد اب ایک جھلک ہم اس کے اختیارات کی دکھاتے ہیں، عورت بالغ ہونے کے بعد (مرد ہی کی طرح) اپنے جان ومال، نکاح، مالی لین دین وغیرہ کے بارے میں قانون شریعت کے لحاظ سے پوری طرح مختار ہوتی ہے، اپنے مال کی پوری طرح مالک ہوتی ہے، جس طرح مرد، کہ جہاں چاہے اور جتنا چاہے خرچ کرے، بس جس طرح مردوں کے لیے کچھ پابندیاں ہیں، مثلاً فضول خرچی نہ کریں اور حرام جگہ خرچ نہ کریں، اسی طرح عورت کے لیے بھی ہیں۔

عام طور پر یہ ایک معروف حقیقت ہے کہ سب سے نازک مسئلہ اس کے ازدواجی تعلق کا ہے، اس میں (کم سے کم فقہ حنفی میں ظاہر ہے کہ وہ بھی شریعت کا ترجمان ہے) بالغ عورت مختار ہے کہ جس سے نکاح کرنا چاہے کر سکتی ہے، یہ الگ بات ہے کہ بعض شکلوں میں اولیاء کو اعتراض کا حق دیا گیا ہے اور اولیاء کی اجازت وسرپرستی میں ہونے والے نکاح کو پسندیدہ قرار دیا گیا ہے، چنانچہ عورت از خود اولیاء کے بغیر نکاح کر لیتی ہے، تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے، اگرچہ اس کو مستحسن قرار نہیں دیا گیا ہے۔ (بدائع الصنائع جلد۲ رصفحہ۲۴۱)

مطلب یہ ہے کہ غیر شادی شدہ عورت اپنے نکاح کے بارے میں اپنے ولی سے زیادہ حقدار ہے، اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ ایک کنواری لڑکی کا نکاح اس کے والد نے لڑکی کی مرضی کے بغیر کر دیا تھا، تو اس لڑکی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، اس پر اسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چاہے تو نکاح برقرار رکھے اور چاہے تو نکاح ختم کر دے۔

عورت کا ترکہ میں شرعی استحقاق:

اسلام نے عورت کو بھی ترکہ کا مستحق بنایا ہے اور اس بارے میں عمر، صنف اور نمبر کا فرق بھی نہیں کیا (مثلاً پہلی ہی اولاد کو ترکہ یا نرینہ کو ہی ملتا بقیہ کو نہ ملتا) کیوں کہ جب سبب استحقاق میں سب اولاد برابر ہیں تو اس کی بنیاد پر ملنے والے حق میں فرق کیوں ہو۔

زمانۂ جاہلیت قدیمہ میں عرب ہی نہیں، جاہلیت جدیدہ میں بھی ترقی یافتہ سمجھی جانے والی بہت سی یورپین اور دوسری قومیں بڑے لڑکے کو ہی ترکہ کا واحد مستحق قرار دیتی رہی ہیں، حالانکہ عقل سلیم اور مزاج مستقیم کے لحاظ سے یہ بالکل الٹی منطق معلوم ہوتی ہے، یعنی اولاد کے درمیان اگر فرق کیا جانا ہی ناگزیر ہوتا تو معکوس ترتیب ہوتی کہ چھوٹوں یا چھوٹے کو ملتا، سچ کہا ہے چھٹی صدی ہجری کے ایک مشہور مالکی عالم قاضی ابوبکر ابن العربی نے" ان الورثة الصغار الضعاف كانوا احق بالمال من القوى فنعكسوا الحكم وأبطلوا الحكمة" یعنی کمزور اور کم عمر ورثہ تو قوی وارثوں کے مقابلہ میں مال کے زیادہ ضرورت مند اور مستحق ہوتے ہیں، لیکن جاہلوں نے ترتیب الٹ کر رکھ دی ہے، بہر حال اسلام نے اولاد میں سے ہر ایک کو وارث مانا ہے اور ترکہ کا حقدار قرار دیا ہے، یہ الگ بات ہے کہ مصالح کی بنا پر مقدار میں کہیں کچھ فرق کیا ہے۔

اسلام کا نظام وراثت :

اسلامی نظام وراثت کی بنیاد جیسا کہ امام غزالیؒ نے بتایا ہے کہ نسب اور سبب پر ہے ، نسب کا مطلب قرابت کی بنیاد پر اور سبب کا مطلب نکاحی رشتہ اور آزاد کرنے وغیرہ کے سبب سے ترکہ پانا ہے ، اس نظام کی رو سے عورتوں میں ماں ، بیٹی ، بیوی کسی حال میں ترکہ سے محروم نہیں رہ سکتیں ، ان کے علاوہ بہت سی صورتوں میں پوتی ، دادی ، نانی ، بہن (ان کی تینوں قسمیں حقیقی ، اخیافی ، علاتی) بلکہ بعض صورتوں میں پھوپھی اور نواسی بھی ترکہ پانے کی مستحق ہوتی ہیں ۔

اسلامی قوانین میں عورتوں کو سب سے زیادہ حقوق دیئے گئے :

عورتوں کے حقوق کی رعایت کا جہاں تک تعلق ہے اس کے بارے میں بہت سے منصف مزاج ، واقف کار غیر مسلموں نے بھی برملا اعتراف کیا ہے ، کہ اتنے حقوق کسی قانون میں عورتوں کو نہیں دیئے گئے جتنے اسلامی شریعت نے اسے دیئے ہیں ، اس بات کی شہادت سابق وزیر اعظم ہند آنجہانی راجیو گاندھی کا وہ اعتراف ہے جو انھوں نے سپریم کورٹ کے شاہ بانو کیس میں نفقۂ مطلقہ سے متعلق فیصلہ کے خلاف مسلم پرسنل لا بورڈ کی طرف سے بورڈ کے صدر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی سرپرستی میں چلائی گئی مہم کے دوران مسلم علماء کے ذریعہ قانون شریعت پر مطلع ہونے کے بعد جنوری ۱۹۸۶ء میں اپنے ایک اخباری انٹرویو کے اندر یہ کہتے ہوئے کہا ''اسلامی قوانین ہمارے قانون سے بڑھ کر عورتوں کے حقوق ومفادات کے ضامن ہیں'' ۔

قانون طلاق :

اسلام کے قانون طلاق میں صرف مرد کو ہی طلاق کا اختیار دینے کی حکمت سمجھ میں آجاتی ہے کہ طلاق کے نتیجہ میں سراسر مالی نقصان مرد ہی کو ہوتا ہے ، عورت کے لیے تو بہت سی آمدنی کی شکلیں نکل آتی ہیں ، دریں صورت عورت کو طلاق کا حق دینے میں بڑے معاشرتی مسائل پیدا ہوں گے ؛ کیونکہ وہ بسا اوقات اپنی مالی منفعت کی خاطر شوہر کو طلاق دے کر دوسرے شخص سے شادی کرنے اور پھر اس سے مالی فائدہ اٹھا کر اسے بھی طلاق دینے اور مزید اسی طرح کرتے رہنے کا پیشہ بنا سکتی ہے ، اس سے خاندانی نظام میں جو تباہی آئے گی اس کا اندازہ کر کے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اب یہ کوئی فرضی بات نہیں رہ گئی ہے ؛ بلکہ یورپ وغیرہ میں اس تباہی کا تماشہ آئے دن ہوتا رہتا ہے ۔

پھر صحیح اسلامی معاشرہ میں تو عورت کا خواہ مطلقہ ہو یا بیوہ ، نکاح ثانی بھی آسانی سے ہو جاتا ہے ، بلکہ بسا اوقات اسے عدت کے دن پورے کرنے مشکل ہو جاتے ہیں کہ دوسرے نکاح کے خواہشمند پیدا ہو جاتے ہیں اور پھر اگر عورت کو اپنے شوہر سے واقعی جائز شکایات ہوں اور ان کے ازالہ کی کوئی سبیل نہ نکل رہی ہو تو اسے خلع اور فسخ نکاح جیسے مواقع اسلامی قانون میں دیئے گئے ہیں جن کے ذریعہ وہ ظالم شوہر سے گلوخلاصی کرا سکتی ہے ، پھر شوہر کو طلاق کا حق بھی ایسا آزادانہ نہیں دیا گیا ہے جیسا کہ عام طور پر ذہنوں میں غلط تخیل پیدا ہو گیا ہے ، بلکہ طلاق دینے سے پہلے اور بھی کئی مراحل سے گزرنے کا حکم دیا گیا ، آخری چارۂ کار کے طور پر طلاق دینے کی اجازت دی گئی ہے ، جب کہ دونوں میں نباہ کی شکل ہی نظر نہ آتی ہو اور ان دونوں کا زبردستی نکاح کے بندھن میں بندھے رہنا دونوں کے خاندان والوں کے لیے وبال جان بن رہا ہو ، پھر اس میں ایسی سختی بھی نہیں برتی گئی کہ عدالت کے واسطہ کے بغیر طلاق واقع ہی نہ کی جا سکتی ہو ، بلکہ ایسی ناخوشگوار صورت حال میں نکلنا اور چھٹکارا پانا بھی آسان بنا دیا گیا ہے ، کیونکہ عدالت میں مقدمات کے چکر میں پڑ کر بسا اوقات طلاق دینا اور لینا اتنا خرچیلا اور پریشان کن عمل ہوتا ہے کہ انسان اس سے بچنے کے لیے بعض اوقات ناکردنی کر بیٹھتا ہے ، جن مذاہب یا ملکوں میں طلاق صرف بذریعہ عدالت ہی دینے لینے کی پابندی ہے وہاں عورتوں کو جلانے ، دریابرد کرنے اور دوسرے طریقوں سے ہلاک کر دینے کے بکثرت واقعات پیش آنا اس پابندی کے خلاف فطرت ہونے کے واضح دلائل ہیں ، پھر عدالت کے ذریعہ طلاق دینے میں عموماً عورت کے کیریکٹر

میں خرابی ثابت کرنا سہل طریقہ سمجھا جاتا ہے، اس سلسلہ میں سچ کم، زیادہ تر جھوٹے الزامات اس صنف نازک پر لگائے جاتے اور اس کے ثبوت پیش کئے جاتے ہیں، غور کیا جائے کہ ایسی صورت میں کیا عورت کی بدنامی نہ ہوگی؟ اور کیا ایسی طلاق کے بعد اس سے کوئی دوسرا شریف آدمی نکاح کرنے پر راضی ہو سکے گا، اس سلسلہ کا ایک عبرتناک اور شرمناک واقعہ چندسال قبل اخبارات میں آیا کہ ایک شخص (غیر مسلم نے) طلاق دینے کے لیے اپنی بیوی کو اپنے ایک رشتہ دار سے بدکاری پر مجبور کیا تا کہ عین بدکاری کی حالت کا ویڈیو تیار کرا کر عدالت میں ثبوت کے لیے پیش کیا جاسکے۔

مرد وعورت کی ذمہ داریوں او رحقوق کے بارے میں اسلامی ہدایات واحکام :

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے، جس کی تعلیمات وہدایات انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہیں، پیدائش سے لے کر وفات تک جتنے مراحل آتے ہیں، ان سب کے لیے احکام وضوابط موجود ہیں، اس وقت ان تمام احکام کا بیان اور پیش کرنا مقصود نہیں، صرف اس حصہ کا مختصر ذکر مقصود ہے جو شادی بیاہ، طلاق وو راثت وغیرہ سے متعلق ہے، جسے عام طور پر ''عائلی نظام'' کہتے ہیں، کیونکہ آج کل ان کی خلاف ورزی عام ہورہی ہے، جس کے نتیجہ میں مسلمان دنیا میں بھی سخت پریشانی کا شکار ہورہے ہیں، اور آخرت میں بھی باز پرس اور سزا کا خطرہ ہے، عائلی قوانین کی پابندی نہ کرنے کی ایک وجہ مسلمانوں کی ان قوانین سے لاعلمی بھی ہے، اس لیے بھی ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ ان کا مختصر انداز میں تذکرہ کر کے عام مسلمانوں کو باخبر کیا جائے، اس قسم کے قوانین کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لیے تنہا یہ بتادینا کافی ہوگا کہ قرآن مجید کی چھ سورتوں، بقرہ، نساء، نور، احزاب، ممتحنہ اور طلاق میں ساٹھ سے زیادہ آیتوں کے اندر یہ بیان ہوئے ہیں۔

زوجین کے حقوق وفرائض :

بیوی کے تمام اخراجات، کھانا، کپڑا، رہائش شوہر کے ذمہ ہیں، خواہ بیوی کتنی ہی دولتمند ہو اور چاہے شوہر غریب ونادار ہو، بیوی کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور اسے معقول اور مناسب وجہ کے بغیر ڈانٹ ڈپٹ کرنا شرعاً ممنوع ہے، اس کے عزیزوں بالخصوص والدین کو بھی نامناسب انداز میں یاد کرنا جس سے بیوی کی دل آزاری ہو شرعاً ممنوع ہے، اس کی جائز اور مناسب باتوں پر روک ٹوک کرنا درست نہیں، البتہ ناجائز اور نامناسب باتوں پر روک ٹوک کرنی چاہئے، مثلاً بے پردہ گھومنے، پھرنے، غیر محرم کے سامنے آنے سے منع کرنا چاہئے، کہنا نہ ماننے پر تنبیہ بھی کی جاسکتی ہے۔

بیوی کی ذمہ داریاں :

اپنے شوہر کی ہر جائز کام میں اطاعت کرنا اور اسے خوش رکھنا، اس کے مال اور اولاد کی نگہداشت کرنا بھی بیوی کی ذمہ داری ہے، خاص طور پر جب کہ شوہر موجود نہ ہو اس وقت بیوی کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں، خلاف شرع کام کرنے پر ہر ایک دوسرے کو ٹوک سکتا ہے، کسی خلاف شرع کام میں اطاعت نہ کی جائے، چاہے اس پر شوہر ناراض ہو مثلاً شوہر اگر غیر محرم کے سامنے آنے کے لیے اپنی بیوی سے کہے تو بیوی اس کی یہ بات نہ مانے، دونوں ایک دوسرے کی دلجوئی کی کوشش کرتے رہیں، اور دلآزاری سے بچیں، ایک دوسرے کے عیبوں کو حتی الامکان چھپائیں۔

تعلقات خراب ہونے کی صورت میں کیا کرنا چاھئے :

خدانخواستہ اگر میاں بیوی میں سے کسی کو دوسرے سے شکایات پیدا ہو جائیں تو انھیں آپس میں ہی دور کرنے کی پوری کوشش کرنی چاہئے، اس بارے میں شوہر کو اپنی بیوی سے اگر شکایات ہیں تو وہ بیوی کو پہلے سمجھائے بجھائے، اس سے بھی شکایات دور نہ ہوں اور بیوی کے نامناسب رویہ میں تبدیلی نہ آئے تو وہ کچھ عرصہ کے لیے بیوی کی خوابگاہ سے علیحدہ سوئے، اس سے بھی کام نہ چلے تو ہلکی تنبیہ کرسکتا ہے، یہ علاج بھی کارگر نہ ہوتو دونوں (میاں بیوی) کے قریبی رشتہ دار

درمیان میں پڑ کر صلح صفائی کرانے اور دونوں کے تعلقات درست کرانے کی پوری کوشش کریں، یہ تدبیر بھی دونوں کے تعلقات خوشگوار بنانے میں بے اثر ثابت ہو تو آخری مرحلہ طلاق کا ہے۔

طلاق کب اور کیسے دی جائے ؟

طلاق صرف ایک ہی دی جائے، وہ بھی ایسی صورت میں جب کہ عورت پاک ہو، اور اس سے قریبی زمانہ میں (اسی پاکی کے زمانہ میں) صحبت نہ کی ہو، اگر یہ پہلی صریح طلاق ہے تو عدت پوری ہونے سے قبل تک شوہر کو حق رہتا ہے کہ وہ نیا نکاح کئے بغیر بھی جب چاہے اسے بیوی بنالے، مثلاً وہ اس کے ساتھ اس طرح کا کوئی عمل کرلے جو بیوی ہی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے، یا زبان سے کہہ دے کہ ''میں تجھے پھر بیوی بناتا ہوں'' یا اس جیسی کوئی اور بات کرلے جس سے دوبارہ ازدواجی تعلقات قائم ہونے کا پتہ چلتا ہو، عدت مکمل ہونے کے بعد اس شخص کے لیے یہ عورت بالکل اجنبی ہوجائے گی جیسے کہ نکاح سے پہلے تھی، البتہ عدت ختم ہونے کے بعد دوبارہ نکاح کر کے بیوی بنا سکتا ہے۔

عوام میں یہ غلط مشہور ہوگیا ہے کہ ''تین سے کم طلاق ہی نہیں ہوتی بلکہ وہ بیوی ہی رہتی ہے'' حالانکہ جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا کہ عدت ختم ہونے کے بعد ایک طلاق دینے سے خواہ ایک ساتھ ہی دی گئی ہوں یا الگ الگ، دوبارہ نکاح کرنے کا اختیار ختم ہوجاتا ہے، اس لیے ہرگز تین طلاقیں نہ دی جائیں، تین طلاقیں ایک ساتھ دینا بہت بڑے گناہ کی بات ہے، اس سے دینی اور دنیاوی دونوں نقصانات ہوتے ہیں، اس لیے اس سے ہمیشہ بچنا چاہئے۔

طلاق کے اسباب دور کرنے کی کوشش :

عام طور سے معمولی معمولی باتوں کی وجہ سے طلاق دی جاتی ہے، حالانکہ معمولی بات دفعتہً ایک طلاق دینا بھی گناہ ہے، طلاق سے پہلے وہ تدبیریں کرنی چاہئیں جن کا ذکر ابھی ہوا، آج کل شرعی احکام سے غفلت اور بے دینی کی وجہ سے مردوں، بالخصوص نوجوانوں میں نشہ کی بری عادت بھی طلاق کا اکثر سبب بن جاتی ہے اور لاٹری کے ٹکٹ خریدنے اور معمے حل کرنے کے لیے فیس جمع کرنے جیسے اخراجات بڑھ جانے سے بہت سے شوہر اپنی بیویوں کے واجب حقوق ادا نہیں کرپاتے، اس لیے بھی طلاق کی کثرت ہورہی ہے، ان اسباب سے جو خود اپنی جگہ بڑے گناہ ہیں اور خداوندتعالی کو سخت ناراض کرنے والے ہیں ان سے بچنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہئے تاکہ دنیا وآخرت کی بربادی سے بچا جاسکے، شریعت نے شوہر اور بیوی دونوں کے انتخابات کے لیے دینداری کو سب سے زیادہ اہم اور قابل ترجیح وصف بتایا ہے، اس لیے شادی کے وقت ہی اس وصف کا خیال کیا جائے، اگر دیندار سے شادی ہو تو اللہ کا شکر ادا کرے۔

طلاق کے بعد شوھر کی ذمہ داریاں :

طلاق کے بعد عدت ختم ہونے تک مطلقہ عورت کے تمام ضروری اخراجات مثلاً کھانا، کپڑا، رہائش وغیرہ، طلاق دینے والے کے ہی ذمہ رہتے ہیں، البتہ تین طلاق کے بعد اس مطلقہ عورت کا طلاق دینے والے سے پردہ ضروری ہوجاتا ہے اگر طلاق دینے والے کے گھر میں طلاق دینے والے سے مطلقہ کے پردہ کا اہتمام نہ ہوسکتا ہو تو اس سے کسی قسم کا خطرہ ہو تو مطلقہ عورت کہیں اور محفوظ جگہ مثلاً اپنے میکے منتقل ہوسکتی ہے، اگر طلاق دینے والے شوہر سے اس مطلقہ کے چھوٹے بچے ہیں (مراد نابالغ) تو یہ بچے اپنی والدہ کے پاس پرورش کے حقدار ہوں گے اور ان بچوں کے تمام اخراجات باپ پر یعنی طلاق دینے والے پر ہی ہوں گے، اگر یہ مطلقہ بچوں کی ماں، بچوں کی پرورش کی خاطر اپنا نکاح کسی اور شخص سے نہیں کرتی ہے تو وہ جب تک پرورش کرتی رہے گی اس کے اور ان کے بچوں کے تمام ضروری اخراجات بچوں کے باپ کے ذمہ رہیں گے، ہاں اگر کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلے گی تو پھر اس کا بچوں کی پرورش کا حق ختم ہوجائے گا، الا یہ کہ وہ بچوں کے محرم سے نکاح کرلے۔

/////☆☆☆☆/////

غور وفکر

طلباء میں بے مقصدیت کا ذمہ دار کون؟

امین الدین شجاع الدین

اللہ تعالی نے دنیا کے کارخانے میں کوئی چیز عبث و بے کار نہیں بنائی، اسی نکتہ کو اقبال نے اپنی ایک نظم میں گلہری کی زبان سے یوں کہلوایا ہے۔

نہیں کوئی چیز نکمی قدرت کے کارخانے میں

اس نظم میں بات گلہری اور پہاڑ کی ہے، پہاڑ کا ثبات اپنی جگہ ایک حقیقت ہے؛ لیکن گلہری کی چلت پھرت بھی اپنی جگہ ایک واقعہ! یہ نکتہ بتاتا ہے کہ رب کریم نے جب دنیا کی حقیر سے حقیر چیزوں کو بھی نافع اور مفید بنایا ہے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ انسان جو اشراف المخلوقات ہے، اسے بغیر کسی صلاحیت اور جوہر کے پیدا کر دیتا! بائبل کی ایک مشہور کہانی ہے کہ ایک شخص نے سفر پر روانہ ہوتے وقت اپنے تین خادموں میں سے دو کو دو دو اور ایک کو ایک سکہ دیا، اول الذکر دو اشخاص نے تو اس کے دئے ہوئے سکوں کو استعمال کیا اور اس طرح ان کے مال میں اضافہ ہوا؛ لیکن آخرالذکر نے اس سکہ کو مقدس مانتے ہوئے ایک امانت کے طور پر زمین میں دفن کر دیا، جب وہ شخص جس نے ان تینوں کو یہ سکے دے تھے واپس لوٹا، تو اس نے ان سکوں کے متعلق ان متعلقہ افراد سے پوچھ گچھ کی، سب نے اپنا اپنا حال بیان کیا، اول الذکر دو سے تو وہ بہت خوش ہوا کہ انھوں نے اس کے دئے ہوئے سکوں کو استعمال کیا اور استعمال کرنے کے نتیجہ میں نفع اٹھایا؛ لیکن آخرالذکر سے سخت ناراض ہوا کہ اس نے اس کے دیئے ہوئے سکے کو زمین میں دفن کر دیا، اگر چہ اس عمل کے پس پشت بظاہر ایک نیک جذبہ کارفرما تھا مگر عمل کی دنیا میں اس کا یہ کام خود فریبی کا عمل تھا، اور سکہ کو کام میں نہ لا کر اس نے خود اپنے اوپر فوائد کے دروازے بند کر لیے۔

اس سکہ کو بائبل نے Talent یعنی جوہر کے مثل قرار دیا ہے اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ قدرت نے بھی ہر انسان کے اندر کوئی نہ کوئی جوہر اور کچھ نہ کچھ صلاحیت پوشیدہ رکھی ہے اور وہ اس لیے ہے کہ انسان قدرت کی اس دی ہوئی صلاحیت کو استعمال کرے، اگر اس نے اس جوہر کو استعمال نہ کیا تو وہ غلطی ایسی ہی غلطی ہوگی جو مذکورہ بالا کہانی کے تیسرے کردار سے سرزد ہوئی تھی اور جس کی وجہ سے وہ اپنے مالک کے غیض وغضب کا شکار ہوا تھا، قدرت نے انسان کے اندر جوہر کا ایک بیج رکھ دیا ہے، اب یہ اس انسان پر موقوف ہے کہ وہ قدرت کے عطا کردہ جوہر کو استعمال میں لائے یا اس بیج میں برگ و بار لانے کے لیے کھاد فراہم کرے، ظاہر ہے کہ کھاد فراہم کرنا محنت، عمل اور فکر چاہتا ہے اگر انسان اس Talent یا صلاحیت کے بیج کی قدر کرے گا اور اس نعمت کی قدر و قیمت سمجھے گا، تو اس بات کی پوری کوشش کرے گا کہ اس صلاحیت کو نکھارا جائے، تا کہ یہ بیج نہ صرف یہ کہ تناور درخت بنے بلکہ ثمر آور ہو، اس طرح نہ صرف یہ کہ وہ خود فائدہ اٹھائے بلکہ اس کی صلاحیت دنیا کے لیے بھی نفع بخش ثابت ہو۔

اس مثال کی روشنی میں اگر ہم مدارس، اسکولز اور ان میں زیر تعلیم بچوں کی صورت حال کا جائزہ لیں تو محسوس ہوتا ہے کہ آج ہمارا المیہ یہ ہے کہ علی العموم ہمارے اساتذہ، والدین یا سرپرستوں میں اس درجہ کا احساس اور فکرمندی دکھائی نہیں دیتی، اور مطلوبہ فکر بندی کا یہ عملی مظاہرہ دیکھنے کو نہیں ملتا کہ وہ اپنے زیر تربیت بچوں کے اندر خدا کی طرف سے ودیعت کردہ جوہر کا ادارک اور شعور رکھتے ہوں، یا اگر انہیں ان میں موجودہ جوہر کا احساس و شعور ہو بھی جائے کہ یہ صلاحیت اس بچے میں

خدا کی طرف سے عطا کردہ ہے، تو اس جوہر کے پروان چڑھانے کی کوشش وفکر نہیں کی جاتی ، یہ بات ہم صرف اساتذہ اور والدین کے متعلق اس لیے کہہ رہے ہیں کہ بچے تو بالآخر بچے ہوتے ہیں اور بچپن کے مرحلے میں انھیں خدا کی عطا کردہ صلاحیت کا ادراک وشعور کیسے ہو سکتا ہے؟ اس لیے ذمہ داری بہر حال اساتذہ اور والدین کی ہے، خصوصاً اساتذہ کی کہ وہی نئی نسل کے معمار ہوا کرتے ہیں۔

آج ہمیں اپنے طلبہ میں بے مقصدیت کے پائے جانے کا شکوہ تو ہے؛ لیکن خود اساتذہ اور والدین میں اپنی اس غلطی کا احساس یا اعتراف کم ہی دیکھنے کو ملتا ہے، کہ بچے میں وہ صلاحیت جسے God Gifted یا خدائی عطیہ کہا جاتا ہے ان کا ادراک کرنے یا اس کو پروان چڑھانے کی طرف سے وہ بے توجہی اور غفلت برتتے ہیں، نتیجہ میں قدرت نے بچہ میں جس جوہر کا بیج رکھا تھا اسے کھاد نہ ملنے کے سبب وہ رائیگاں چلا جاتا ہے، اس صورت حال میں یہ کہنا بیجا نہیں کہ ہم اساتذہ طلباء کو الزام دیتے ہیں، جبکہ قصور خود ہمارا ہے یا یوں کہئے کہ اس ابتر صورت حال کی ذمہ داری میں طلبہ کا قصور کم اور اساتذہ کا قصور زیادہ ہے۔

طلبہ میں تعلیم کی طرف سے بے توجہی کی ایک اور وجہ !ابتدائی مرحلہ میں طلباء کو وہ تعلیمی غذا فراہم نہ کرنے کی ہے جو اس مرحلہ میں ان کے لیے ضروری اور ناگزیر ہوتی ہے، مثلاً عربی مدارس کے طلباء ہی کو لیجئے اگر ابتدائی مرحلے میں انہیں عربی زبان نہ سکھائی گئی، زبان کے اصول وقواعد نہ سکھائے گئے، عبارت خوانی کے بنیادی اصول نہ بتائے گئے اور طرہ یہ کہ انہیں سال بہ سال امتحان میں کامیاب بھی کیا جاتا رہا، تو پھر اس دشواری کا پیدا ہونا لازمی ہے کہ ایسے طلباء کی تعلیمی زندگی میں ایک مرحلہ ایسا ضرور آئے گا کہ جب ان کا دل اونچی درسی کتابوں میں نہ لگے، استاذ ایک وادی میں ہو اور شاگرد کسی دوسری میں، جب کسی بچہ کو زبان ہی نہ سکھائی گئی ہو اور ایسے بچے سے یہ شکوہ کیا کہ یہ اس زبان کے ادب سے دلچسپی نہیں رکھتا، نہ صرف یہ کہ بے جا ہے بلکہ ایک طرح کا ظلم ہے۔

اب آپ ہی بتایئے کہ طلباء کی تعلیم کی طرف سے بددلی میں قصور ان طلباء کا ہے یا ابتدائی مرحلوں کے ان اساتذہ کا جنھوں نے ان طلباء کو صرف ونحو، انشاء وعبارت خوانی جیسے لازمی مراحل کی ہوا بھی لگنے نہ دی، تعلیم کی طرف سے غفلت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اساتذہ اور نگراں حضرات کی تقرری میں صلاحیت کے بجائے تقرب کا عمل دخل ہے، آج بنیادی مطلوبہ صلاحیت ''مفروضہ وفاداری'' ہے، وفاداری تو محض ایک حسین عنوان ہے، مگر اس کے پشت اپنی خوشامد پسندانہ طبیعت کو تسکین پہنچانا ہے، ورنہ سچی وفاداری سے کسے انکار ہے، جس درخت پر آشیانہ ہو اسی درخت کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی حماقت کون کرے گا؟ مفروضہ وفاداری کی صورت میں تعلیم گاہ خانقاہ تو بن سکتی ہے، تعلیم گاہ باقی نہیں رہ سکتی، گستاخی معاف! اس صورت حال میں کہیں ایسا نہ ہو کہ خاکم بدہن آخرت میں ایسے اساتذہ اور ارباب مدارس پر نسلوں کو ضائع کرنے کا مقدمہ عائد ہو اور اس وقت جواب بنائے نہ بن پڑے۔

اس سے پہلے کہ ہماری آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہوں، ضرورت ہے کہ اساتذہ وارباب مدارس اپنی آنکھیں کھول لیں!!!

/////٭٭٭/////

مدرسے کا مقصد

میں کسی بھی مدرسہ کی یہ تعریف ماننے کے لیے ہرگز تیار نہیں کہ جہاں ایسی زبان سکھائی جاتی ہے، جس کی بدولت عربی کتابیں پڑھی جاسکیں اور اس سے دوسرے دنیاوی فائدے اٹھائے جاسکیں، عربی مدرسہ کی ہرگز ہرگز یہ تعریف نہیں؛ بلکہ وہ تو وہ جگہ ہے جہاں طالب علم کے درمیان - جیسا کہ میں نے پہلے کہا - اور خدا کے درمیان ایک بلا واسطہ کی کڑی ہے، جس کا ایک سرا ادھر ہے اور دوسرا اللہ کے قبضہ میں ہے۔ (پاجا سراغ زندگی صفحہ ۴۸)

اقبالیات

دل میں صلوۃ و درود لب پہ صلوۃ و درود

محمد بدیع الزماں، ریٹائرڈ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ پھلواری شریف، پٹنہ

خدائے تعالی نے عشق الٰہی میں بندوں کی گرویدگی کا رخ سورۂ آل عمران کی درج ذیل آیات ۳۱/اور ۳۲/میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرتے ہوئے فرمایا:

''اے نبی! لوگوں سے کہہ دو کہ اگر حقیقت میں تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا، وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے، ان سے کہو کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر وہ تمہاری یہ دعوت قبول نہ کریں تو یقیناً یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرے جو اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت سے انکار کرتے ہوں''۔

اقبال نے اس آیات کی ہو بہو ترجمانی ''بانگ درا'' کی نظم ''جواب شکوہ'' کے سب سے آخری درج ذیل شعر کے پہلے مصرعہ میں کی ہے۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

رسول مقبولؐ کی اطاعت کی تاکید قرآن مجید میں بہت سے مواقع پر وارد ہوئی ہے ایک موقع پر فرمایا گیا ہے۔

''جس نے رسولؐ کی اطاعت کی، اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی اور جو منہ موڑے گا تو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تمہیں ان لوگوں پر پاسبان بنا کر تو نہیں بھیجا ہے''۔(النساء ۸۰)

جب اللہ کی اطاعت کو رسول کی اطاعت سے مشروط کر دیا گیا تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں پر فرض بھی عائد کیا جاتا کہ:

''اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً''۔(الاحزاب ۵۶)

اللہ اور اس کے ملائکہ نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔

مفسرین کا کہنا ہے کہ صلوۃ کا لفظ جب علی کے ساتھ آتا ہے تو اس کے تین معنی ہوتے ہیں، ایک کسی کے ساتھ محبت کے ساتھ متوجہ ہونا اور اس پر جھکنا، دوسرے کسی کی تعریف کرنا، تیسرے کسی کے حق میں دعا کرنا، یہ لفظ جب اللہ تعالی کے لیے ہو تو صرف پہلے دو معنوں میں ہوگا، اور جب یہ لفظ بندوں کے لیے بولا جائے گا، خواہ فرشتے ہوں یا انسان، تو وہ تینوں معنوں میں ہوگا، اس میں محبت کا مفہوم بھی ہوگا، مدح وثنا کا مفہوم بھی اور دعائے رحمت کا مفہوم بھی، لہٰذا اہل ایمان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ''صلوا علیہ'' کا حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ تم ان کے گرویدہ ہو جاؤ، ان کی مدح وثنا کرو اور ان کے لیے دعا کرو۔

مفسرین کے نزدیک ''سلام'' بھی دو معنی رکھتا ہے، ایک ہر طرح کی آفات اور نقائص سے محفوظ رہنا، جس کے لیے ہم اردو میں سلامتی کا لفظ بولتے ہیں، دوسرے صلح وعدم مخالفت، پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ''سلموا تسلیما'' کا حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے گرویدہ ہو جاؤ اور ان کے حق میں کامل سلامتی کی دعا کرو، یعنی دل وجان سے ان کا ساتھ دو اور ان کے سچے فرمانبردار بنو۔

یہ حکم جب نازل ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام کا طریقہ تو آپ ہمیں بتا چکے ہیں (یعنی نماز میں السلام علیک ایھا النبی) مگر آپ پر صلوۃ بھیجنے کا طریقہ کیا ہے؟، اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے لوگوں کو مختلف مواقع پر کئی طرح کے درود

سکھائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی طرح کے درود سکھائے ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا طریقہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ تم اللہ تعالی سے دعا کرو ''اے خدا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج اس لئے کہ مجھ پر صلوۃ بھیجنے کا حق تم ادا نہیں کر سکتے، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوۃ بھیجنے کا حق ادا کرنے کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ اللہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوۃ بھیجنے کی دعا کی جائے۔

دوسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان نے یہ گوارہ نہ کیا کہ تنہا اپنی ہی ذات کو اس دعا کے لیے مخصوص کریں؛ بلکہ اپنے ساتھ اپنی آل اور ازواج اور ذریت کو بھی آپ نے شامل کرلیا اور یہ دعا بھی شامل کی کہ آپ پر ویسی ہی مہربانی فرمائی جائے، جیسی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر فرمائی گئی ہے۔

انہی معنوں میں ''ضرب کلیم'' کی نظم ''ایک فلسفہ زدہ سید زادے کے نام'' کے اس شعر کو گرفت میں لایا جا سکتا ہے، مگر قبل اس کے سورۃ الاحزاب کی آیت ۲۱/اور سورۃ الممتحنہ کی آیت ۶/کا مطالعہ ضروری ہے۔

دیں مسلک زندگی کی تقویم
دیں سر محمد صلی اللہ علیہ وسلم و براہیمؑ

درود تو فطری طور پر ہر اس مسلمان کے دل سے نکلے گا، جسے یہ احساس ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی کے بعد سب سے بڑے محسن ہیں، اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے ملائکہ اس پر درود بھیجتے ہیں جب تک وہ مجھ پر درود بھیجتا رہے''۔ (مسلم)

صلوۃ اور درود کی انہی فضیلتوں کے پیش نظر اقبال نے ''بال جبرئیل'' کی نظم ''مسجد قرطبہ'' کے تیسرے بند کے درج ذیل شعر میں اپنے عہد کے مسلمانوں پر طنز کیا ہے کہ میں اور میرے آباء واجداد تو دو تین صدیوں سے مسلمان ہیں مگر پھر بھی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں گرویدگی کی وجہ سے ہر وقت میرے دل میں اور لب پر صلوۃ اور درود جاری رہتا ہے، مگر تم باوجود اس کے کہ اپنا شجرۂ نسب کئی صدیاں قبل کے اسلاف اور بزرگوں سے جوڑتے ہو، مگر میں تم میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ گرویدگی نہیں پاتا جو ہم میں ہے، کہتے ہیں ؎

کافر ہندی ہوں میں، دیکھ میرا ذوق وشوق
دل میں صلوۃ و درود، لب پہ صلوۃ و درود

اقبال نے اپنے کلام میں خود کو تین اشعار میں ''کافر ہندی'' کہا ہے، دوسرا اور تیسرا شعر ''بال جبرئیل'' غزل ۲/اور ''ضرب کلیم'' کی نظم امرائے عرب میں علی الترتیب یہ ہیں۔ ؎

یوں داد سخن مجھ کو دیتے ہیں عراق و پارس
یہ کافر ہندی ہے یہ تیغ وسناں خونریز

کرے یہ کافر ہندی بھی جرأت گفتار
اگر نہ ہو امرائے عرب کی بے ادبی

یہ نکتہ پہلے سکھایا گیا کس امت کو
وصال مصطفوی، افتراق بولہبی

نوٹ: پہلے شعر میں ''عراق و پارس'' سے خاص ممالک مراد نہیں بلکہ اصطلاحاً اس سے مراد عالم اسلام ہے۔

اقبال نے خود کو ''کافر ہندی'' اس لیے کہا ہے؛ کیونکہ اقبال کے آباء واجداد سری نگر (کشمیر) کے رہنے والے تھے اور برہمن تھے، جن کا گوت سپرو تھا، سترہویں صدی عیسوی میں یہ خاندان مشرف باسلام ہوا اور ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد مہاراجہ کے ظلم وستم سے تنگ آ کر ہجرت کر کے سیالکوٹ (پنجاب) میں سکونت اختیار کی۔

''کافر ہندی'' کہہ کر اقبال نے اپنے کافرزاد ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، جس کی مزید وضاحت انہوں نے ''ضرب کلیم'' کی نظم ''ایک فلسفہ زدہ سید زادے کے نام'' کے ان اشعار میں کی ہے۔

میں اصل کا خاص سومناتی — آباء میرے لاتی ومناتی
تو سید ہاشمی کی اولاد — میری کف خاک برہمن زاد

//////☆☆☆//////

مکتوبات اکابر

مکتوبات شیخ الحدیث حضرت مولانا ناصر علی ندویؒ ایک نیازمند کے نام

محمد مسعود عزیزی ندوی رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ناصر علی صاحب ندوی کے نام سے جانکاری اس وقت ہوئی جب یہ نامہ سیاہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کی شاخ مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور رائے بریلی میں داخل ہوا، چونکہ طبیعت میں ہر بزرگ، اہل علم اور بڑی شخصیت سے ملاقات واستفادہ کا تقاضہ رہتا تھا، اس لیے حضرت شیخ سے ملاقات بھی دل کی ایک خواہش تھی، چنانچہ مدرسہ ضیاء العلوم سے ایک مرتبہ جب لکھنؤ جانا ہوا تو حضرت شیخ سے ملاقات کی خواہش کے باوجود ملاقات نہ ہوسکی، چونکہ حضرت شیخ تعلیمی گھنٹوں کے بعد اپنی قیام گاہ پر چلے جاتے تھے، جو لکھنؤ شہر میں تھی، اس لیے تب بھی ملاقات نہ ہوسکی، اس کا افسوس رہا اور پھر واپس ضیاء العلوم آنے کے بعد شیخ کی خدمت میں ایک عریضہ تحریر کیا، جس میں اس کا بھی اظہار کیا تھا کہ یہ راقم لکھنؤ حاضر ہوا مگر ملاقات نہ ہوسکی اور اپنے لیے دعا کی بھی درخواست کی، چنانچہ حضرت شیخ کا یہ والا نامہ شرف صدور ہوا۔

۱- ۱۵/۳/۱۵ھ ۹۴/۸/۱۴ء

عزیزم مسعود سلمہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا خط ملا، مجھے بھی افسوس ہے کہ ندوہ آئے اور ملاقات نہ ہوسکی، آئندہ ملاقات ہوسکتی ہے۔

خدا تعالی سے دعاء ہے کہ تم کو اور دوسرے طلبہ علوم دین کو علم وعمل کے زیور سے آراستہ کرے اور دین کی عظیم خدمت لے۔ فقط والسلام

ناصر علی

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

اس خط کے آنے کے بعد جب سالانہ امتحان میں شریک ہونے کے لیے لکھنؤ ندوہ میں آنا ہوا تو زیارت ہوئی مگر ملاقات نہ ہوسکی، پھر ندوہ میں داخلے کے بعد صحیح ملاقات وتعارف اس وقت ہوا جب حضرت شیخ سے بخاری شریف پڑھنے کا موقع ملا اور حضرت مولانا کی شفقتیں وتوجہات حاصل ہوئیں، احقر نے اپنی بعض کتابیں پیش کیں، تو مطالعہ فرمایا، بہت خوش ہوئے، حضرت شیخ بڑے معتدل مزاج اور سادگی پسند تھے اور اتنے معمولی انداز میں رہتے تھے کہ شاید سادگی کو بھی آپ پر رحم آتا ہوگا، علم وفقہ کے سمندر اور دار العلوم ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث ہونے کے باوجود نہ مشیخیت کا انداز اور نہ رعب ودبدبہ کا اظہار بلکہ ایک عام آدمی کی طرح زندگی گزارتے اور سائیکل سے ندوہ تشریف لاتے، گھر کے کام خود کرتے، البتہ قوانین کے پکے اور اصول کے بڑے پابند تھے، درس میں روزآنہ طلبہ کی حاضری سختی سے لیتے اور غیر حاضری پر ٹوکتے اور باز پرس کرتے، اور معقول عذر وجواب چاہتے تھے، مگر مزاج میں حد درجہ نرمی تھی، درس وتدریس کا موقع ہو یا عام ملاقات وگفتگو، ہر جگہ خلیق وملنسار اور اعتدال کا دامن تھامے رہتے، جزئی مسائل میں سختی کو نہ بہتر سمجھتے اور نہ ہی اختلافی مباحث میں بحث ومباحثہ کو پسند فرماتے، غرضیکہ دار العلوم ندوۃ العلماء کی طالب علمی میں حضرت شیخ کے اخلاق کریمانہ سے خوب لطف اندوز ہونے کا موقع ملا، جب بھی ملتے مسکراتے اور اپنے خاص انداز میں گفتگو کرتے، دار العلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد جب بھی ندوۃ العلماء جانا ہوا تو کئی مرتبہ ملاقات وزیارت ہوئی، گذشتہ سال جب اس راقم آثم نے مرکز

احیاء الفکر الاسلامی سے ایک ماہنامہ نکالنے کا پروگرام بنایا تو بہت سے اکابرین کو پیغامات کے لیے خطوط لکھے، جن میں حضرت شیخ کو بھی خط لکھا، ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لیے پیغام کی درخواست بھی کی اور دعا کے لئے بھی تحریر کیا، چنانچہ حضرت شیخ کا مندرجہ ذیل پیغام آیا:

عزیزم................ سلام مسنون

امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے

اللہ تبارک وتعالی ہمت واخلاص کے ساتھ دینی خدمت انجام دینے کی توفیق عطاء فرمائے۔

ایک دینی رسالہ نکالنے کا آپ کا حوصلہ وعزم قابل ستائش ہے، اللہ تعالی اس کی افادیت کو عام فرمائے۔

دھیان رہے رسالہ رسمی نہ ہو، عوام کے ہر طبقہ کو متأثر کرنے کی کوشش کی جائے، اللہ تعالی آپ کے عمل کو قبول فرمائے۔ آمین

ناصر علی ندوی

اس کے بعد شاید ایک مرتبہ ملاقات ہوئی، پھر کوئی ملاقات نہ ہوسکی، ابھی گذشتہ ماہ جب راقم جنوبی افریقہ کے سفر پر تھا، وہاں مجھے بذریعہ فون اطلاع ہوئی کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا ناصر علی صاحب ندوی ۳۱ مئی ۲۰۰۷ء بروز جمعہ کو انتقال کر گئے، ایک دم یقین بھی نہ آیا، مگر حضرت انسان کی ہستی ہی کیا ہے، پانی کے بلبلہ کی طرح، کچھ پتہ نہیں کس وقت پھوٹ جائے، اس لیے یقین کے علاوہ چارہ بھی کیا تھا، اللہ حضرت کی بال بال مغفرت فرما کر درجات بلند فرمائے۔

حضرت شیخ کی پیدائش ۱۹۳۳ء میں خرم مراد لکھنؤ میں ہوئی اور دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ۱۹۶۵ء میں فراغت حاصل کی اور ۹۰ء سے شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے اور ہزارہاں شاگردوں کو مستفید کیا اور علم وتحقیق کی راہ دکھائی جنہوں نے ہند اور بیرون ہند میں علم کی شمعیں روشن کیں اور دینی خدمات انجام دیں اور دے رہے ہیں، اللہ تعالی آپ کے تمام منتسبین، متعلقین، محبین، اہل خانہ اور شاگردوں کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ہمیں اپنے پاک لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آل انڈیا دینی مدارس بورڈ - ایک تعارف

آل انڈیا دینی مدارس بورڈ کے قیام کا بنیادی مقصد اہل مدارس کو پیش آنے والے حالات اور مسائل میں قانونی اور سیاسی مددفراہم کرنا :

☆ دینی مدارس کا تحفظ وبقا اور ان کے شاندار ماضی کے حصول کا عزم۔

☆ دینی مدارس کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنانے کی سعی۔

☆ دینی مدارس کو گزند پہنچانے والوں کے خلاف قانونی اور سیاسی چارہ جوئی۔

☆ دینی مدارس کے فضلاء ودانشوران قوم کو سیاست وحکومت میں شرکت کے لیے تیار کرنا۔

☆ دینی مدارس کے فارغین کو ملک وملت کی ہمہ جہت ترقی کے لیے تیار کرنا۔

☆ دہلی میں چوبیس گھنٹے (انسانی ہیلپ لائن) کا قیام تاکہ ملک کا ہر انسان اور ہر مدرسہ پریشانی کے وقت رابطہ کرسکے اور پیش آمدہ مشکلات دور کرنے کے لئے ذمہ داران بورڈ فوری اقدام کرسکیں۔

مذکورہ بالا کلیدی مقاصد اور اہداف میں مثبت پیش رفت کے لیے ہندوستان کے دینی مدارس کا فرض بنتا ہے کہ وہ ملت اسلامیہ کی تعمیر وترقی اور دینی مدارس کی ساکھ کو بہتر وخوب تر بنانے کے لیے آل انڈیا دینی مدارس بورڈ کے ممبر بنیں اور اپنے قرب وجوار کے مدارس کو بھی بورڈ کا ممبر بنائیں۔

دینی مدارس کو درپیش مشکلات سے آل انڈیا دینی مدارس بورڈ کو فوری طور پر باخبر کریں اور بورڈ کا ہر ممکن تعاون فرمائیں تاکہ بورڈ چوبیس گھنٹے اپنے بنیادی مقاصد میں کما حقہ کامیابی حاصل کرسکے۔

مولانا محمد یعقوب صاحب بلند شہری

صدر آل انڈیا دینی مدارس بورڈ

دعوت اسلام

امراء وسلاطین کے نام
مکتوبات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام

مولانا فتح محمد ندوی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کسی ایک خاص قوم یا کسی ایک ملک کے لیے نہیں بلکہ تمام انسانوں کے لیے آپ کو نبی بنا کر بھیجا گیا ہے، ایک مرتبہ آپ نے تمام صحابہ کو جمع کیا اوران کے سامنے ایک خطبہ دیا کہ اے لوگوں خدا نے مجھے تمام انسانوں کے لیے رحمت اور پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور میری نبوت ورسالت قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے ہے اورتم حواریین عیسیٰؑ کی طرح اختلاف نہ کرنا، جاؤ میری طرف سے پیغام حق ادا کرو، یہی وجہ ہے کہ آپ کی نبوت کے اندر وہ امتیازی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو دوسرے انبیاء کی نبوت ورسالت میں موجود نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ابدی پیغام کو جس کی ذمہ داری اللہ تعالی نے آپ کو دی تھی اور آپ نے اسلام کو مذہب واحد کہہ کر پیش کیا تھا، تمام دنیا تک اس پیغام کو پہنچانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ کے اواخر میں اور ۷ھ کے اوائل میں صلح حدیبیہ ہونے کے بعد جب قدرتی طور پر غزوات کا سلسلہ منقطع ہوگیا، ترقی کی نئی راہیں کشادہ ہوئیں اورامن وسکون کا ماحول بن گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مذاہب اور مختلف ممالک کے بادشاہوں کے نام اسلام کی دعوت کے لیے خطوط روانہ کیے اور آپ نے اسلام کی تبلیغ کے لیے ایک ایسی نظیر پیش کی جس کی مثال دنیا کے کسی سابق مذہب میں نہیں ملتی، چونکہ اللہ تعالی نے قرآن کریم کے اندر ارشاد فرمایا: ”اے نبی آپ اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دیجئے، حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اوران سے بحث ومباحثہ کیجئے احسن طریقے سے، تمہارا رب ہی زیادہ علم رکھتا ہے اس کے بارے میں جو راستہ سے بھٹک گیا ہے اور وہی زیادہ جانتا ہے ہدایت یافتہ لوگوں کو“ ۔(سورہ نحل ۱۲۵)

جب اسلامی حکومت کا دائرہ وسیع ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کے اسلوب کو سامنے رکھ کر اپنے قاصدوں کے ذریعہ دعوتی خطوط روانہ کئے اور آپ نے جس بادشاہ کے لیے جس قاصد کا انتخاب کیا وہ وہاں کی زبان، آب وہوا اور وہاں کی جغرافیائی حالت سے بھی بخوبی واقف تھا، تاکہ وہاں کے ماحول کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہو، صحابہ کرام نے خطوط روانہ کرنے سے پہلے آپ سے عرض کیا ”یہ لوگ ایسے خط کو تسلیم نہیں کرتے جس پر مہر نہ ہو“ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص مہر بنوائی، جس کا حلقہ چاندی کا تھا اور درمیان میں ”محمد رسول اللہ“ نقش تھا۔(نبی رحمت ۳۷۲)

وہ تحریریں بتاتی ہیں کہ یہ دین عربوں کا یا جزیرۃ العرب کا نہیں بلکہ نوع انسانی کا دین تھا، چنانچہ وہ عرب سے باہر کی متمدن اور بااثر حکومتوں کے لیے چیلنج ثابت ہوئیں اوراس صورت میں انہیں اپنا زوال نظر آنے لگا کہ وہ خود اس دعوت کو قبول کریں، یا کم از کم اپنی رعایا کو اس دعوت کو سمجھنے اوراس کے بارے میں فیصلہ کرنے کا موقع نہ دیں۔(نبی رحمت ۳۷۲)

جن صحابہ کو آپ نے خطوط ارسال کرنے کے لیے انتخاب کیا تھا ان کی تعداد چھ تھی، ان میں حضرت دحیہ کلبی، قیصر روم ہرقل کے پاس

آپ کا نامہ مبارک لے کر گئے اورانہوں نے آپ کا نامہ مبارک بصرہ میں حارث غسانی کو لاکر دیا، انہوں نے اس خط کو بیت المقدس میں ہرقل کو دیا، جو کسی خاص غرض سے وہاں آیا ہوا تھا، اوراس نے حضرت دحیہ کلبی کا پرجوش استقبال کیا اور آپ کے بارے میں اس نے مزید معلومات حاصل کیں، اور ساتھ ہی اس نے کہا کہ اگر کوئی شخص مکہ سے یہاں کسی غرض سے آیا ہو تو اس کو بلاؤ، تو اتفاق سے ابوسفیان بغرض تجارت وہاں موجود تھے، تو ان کو بلوایا گیا اور بڑی شان وشوکت کے ساتھ دربار سجایا گیا، بادشاہ خود بھی تاج شاہی پہن کر تخت پر جلوہ افروز ہوا، اوراسی پرسکون ماحول میں اس نے مخاطب ہوکر کہا کہ وہ شخص جو نبوت کا دعوی کرتا ہے اس کا تم سے قرابت دار کون ہے؟ تو ابوسفیان اس کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا کہ شاہ قیصر! میں ان کا رشتہ دار ہوں اور ان کے بارے میں اچھی معلومات رکھتا ہوں، تو پھر اس نے ابوسفیان سے ایک طویل گفتگو کی اورسوال وجواب کے آئینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات، طرز زندگی، معاشرت کے بارے میں یہ گفتگو کی۔

قیصر: مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے؟

ابوسفیان: شریف۔

قیصر: اس خاندان میں کسی اور نے بھی نبوت کا دعوی کیا تھا؟

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: اس خاندان میں کوئی بادشاہ بھی گذرا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: جن لوگوں نے یہ مذہب قبول کیا ہے وہ کمزور لوگ ہیں یا صاحب اثر؟۔

ابوسفیان: کمزور لوگ ہیں۔

قیصر: اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے ہیں؟

ابوسفیان: بڑھ رہے ہیں۔

قیصر: کبھی تم لوگوں کو اس کی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: وہ کبھی عہدووفا کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے؟

ابوسفیان: ابھی تک تو نہیں کی؛ لیکن ابھی جو ایک نیا معاہدہ صلح ہوا ہے اس میں دیکھیں کہ وہ عہد پر قائم رہتے ہیں یا نہیں۔

قیصر: تم لوگوں نے کبھی اس سے کوئی جنگ بھی کی ہے؟

ابوسفیان: ہاں!

قیصر: نتیجہ جنگ کیا رہا؟

ابوسفیان: کبھی ہم غالب آئے اور کبھی وہ۔

قیصر: وہ کس چیز کا حکم دیتا؟

ابوسفیان: کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو، سچ بولو، صلہ رحمی کرو۔

اس گفتگو کے بعد قیصر نے مترجم کے ذریعہ سے کہا کہ تم نے اس کو شریف النسب پایا، پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندانوں میں پیدا ہوتے ہیں، تم نے کہا کہ اس کے خاندان سے کسی اور نے نبوت کا دعوی نہیں کیا، اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے، تم تسلیم کرتے ہو کہ اس خاندان میں کوئی بادشاہ نہ تھا، اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اس کو بادشاہت کی ہوس ہے، تم مانتے ہو کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، جو شخص آدمیوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر کیونکر جھوٹ باندھ سکتا ہے، تم کہتے ہو کہ کمزوروں نے اس کی پیروی کی ہے، تو پیغمبروں کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب لوگ ہی ہوتے ہیں، تم نے تسلیم کیا کہ اس کا مذہب ترقی کرتا جاتا ہے، سچے مذہب کا یہی حال ہے کہ بڑھتا جاتا ہے، تم تسلیم کرتے ہو کہ اس نے کبھی فریب نہیں کیا، پیغمبر کبھی فریب نہیں کرتے، تم کہتے ہو کہ وہ نماز اور تقوی اور عفاف کی ہدایت کرتا ہے، اگر یہ سچ ہے تو میری قدم گاہ تک اس کا قبضہ ہو جائے گا، مجھ کو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے؛ لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا، اگر وہاں جاسکتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا۔ (سیرت النبیؐ)

ہمیں اس مذکورہ گفتگو سے جو ہرقل اور ابوسفیان کے درمیان ہوئی، کہ شاہ روم نے کس دانشمندی اور معاملہ فہمی سے ماضی وحال کو سامنے رکھ

کر سوال وجواب کے آئینہ میں آپ کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور خاص طور سے جس وقت اس نے اپنی گفتگو کا خلاصہ بیان کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر اس کو ایسی کوئی کمزوری نظر نہیں آئی جس سے وہ کچھ اعتراض کر سکے، اس نے اپنی گفتگو کے درمیان جو بھی سوالات کیے اس سے اس کی ذہانت اور حاضر دماغی کا اندازہ لگانا مشکل نہیں، مثلاً اس نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شریف النسب ہیں، اسی طرح اس سے پہلے اس کے خاندان میں کسی اور نے تو نبوت کا دعوی نہیں کیا، پھر آگے سوال کیا کہ اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ تو نہیں گذرا؟ غرض اس نے جتنے بھی سوالات کیے اور پھر اس نے ان سے جو نتیجہ اخذ کیا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالی نے آپ کے اندر کوئی ادنی سا پہلو بھی ایسا نہیں چھوڑا تھا جس سے ہرقل کے دل میں آپ کی طرف سے کچھ شکوک وشبہات باقی رہتے، یہی وجہ تھی کہ اس نے آپ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے فوراً بعد ایمان لانے کا ارادہ کیا؛ لیکن حب جاہ کی وجہ سے وہ ایمان لانے سے محروم رہا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب دستور کسری پرویز کے نام نامۂ مبارک بھیجا، جس کو لے کر حضرت عبداللہ بن حذیفہ گئے، کسری پرویز اس وقت ایران کا بادشاہ تھا اور اس کی سلطنت میں ایران کو جو ترقی ہوئی اور دربار کو جو عظمت اور شان وشوکت حاصل تھی، اس کی مثال اس سے پہلے کسی بادشاہ عجم کے دور اقتدار میں نہیں ملتی۔

عرب کے دستور کے مطابق نامہ مبارک میں سب سے پہلے خدا کا نام، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تھا، اور عجمیوں کا جو دستور تھا وہ اس کے برعکس تھا، یعنی پہلے بادشاہ کا نام ہوتا تھا، پھر اس کے بعد عنوان، تو جس وقت شاہ ایران کو آپ کا نامہ مبارک ملا تو وہ تلملا اٹھا، اور اس نے اس نامہ مبارک کو دیکھ کر جو عجمیوں کے دستور کے مطابق نہیں تھا بے یہودہ گوئی کا مظاہرہ کیا اور پکار کر کہنے لگا کہ میرا غلام مجھے اس طرح خط لکھتا ہے، پھر اس نے متکبرانہ انداز میں نامہ مبارک کو چاک کر ڈالا اور ساتھ ہی کہا کہ اس شخص کو جو نبوت کا مدعی ہے، میرے پاس لایا جائے اور دو آدمیوں کو اس نے اس کام کے لیے منتخب کیا، وہ مدینہ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر کہا کہ شہنشاہ ایران نے آپ کو اپنے دربار میں طلب کیا ہے اور ان قاصدوں نے آپ سے زور دے کر کہا کہ اگر تعمیل حکم نہیں کی گئی تو وہ تم کو اور تمہاری سلطنت کو تہ وبالا کر دے گا، وہ ایک بڑی سلطنت کا مالک ہے، مشرق کے نصف حصہ پر اس کی حکمرانی ہے، آپ نے فرمایا کہ'' جاؤ اسلام کا پرچم اس کی حکومت اور اس کے پایہ تخت تک پہنچے گا'' چنانچہ چندروز کے بعد ہی اس کی حکومت کے پرخچے اڑ گئے، اور اس کے بیٹے نے اس کو قتل کر دیا۔

وہ نامہ مبارک جو آپ نے شاہ ایران کے پاس حضرت عبداللہ بن حذیفہ کے توسط سے بھیجا تھا، اس کی عبارت حسب ذیل ہے: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمد پیغمبر خدا کی طرف سے کسری رئیس فارس کے نام، سلام ہے اس شخص پر جو ہدایت کا پیرو ہو اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، اور یہ گواہی دے کہ خدا صرف ایک خدا ہے اور یہ کہ خدا نے مجھ کو تمام دنیا کا پیغمبر مقرر کر کے بھیجا ہے، تا کہ وہ ہر زندہ شخص کو خدا کا خوف دلائے، تم اسلام قبول کر و تو سلامت رہو گے ورنہ مجوسیوں کا وبال تمہاری گردن پر ہوگا''۔ (نبی رحمت ۳۷۴)

نجاشی بادشاہ کو آپ نے حضرت عمرو بن امیہ کے ذریعہ سے نامہ مبارک بھیجا، اس نے آپ کے نامہ مبارک کا بیحد احترام کیا، آنکھوں سے لگایا اور از راہ احترام وہ تخت شاہی سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا اور گواہی دی کہ آپ سچے نبی ہیں اور خدا نے آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور مشرف باسلام ہوگیا'' ارباب سیر لکھتے ہیں کہ نجاشی نے ۹ھ میں وفات پائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مدینہ میں تشریف فرما تھے اور یہ خبر سن کر آپ نے غائبانہ اس کے جنازے کی نماز پڑھائی، اگر چہ بعض لوگوں نے اس سے اختلاف کیا ہے، صحیح مسلم میں تصریح کی ہے کہ جس نجاشی کی نماز جنازہ آپ نے پڑھائی وہ یہ نہ تھا؛ لیکن ابن قیمؒ نے ارباب سیر کی روایت کی تصدیق کی ہے اور مسلم کی روایت کے اس ٹکڑے کو راوی کا وہم بتایا ہے۔ (سیرت النبی ۲۷۲)

نجاشی کے نام یہ مکتوب تھا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمدؐ کی طرف سے جو اللہ کا رسول ہے، یہ خط نجاشی کے نام ہے جو حبشہ کا رئیس اعظم ہے، سلام ہے اس شخص پر جو ہدایت کا پیرو ہو، امابعد! میں حمد بیان کرتا ہوں تم سے اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو بادشاہ ہے، قدوس ہے، سلام، مومن، مہیمن ہے اور گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ عیسٰی بن مریم اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں، جس کو اس نے پاک نفس و پاکباز مریم البتول میں پھونکا تھا، پس اس کی روح اور اس کے نفخ سے عیسٰی ان کے بطن میں قرار پائے، جیسے اس نے آدم کو اپنے ہاتھ سے بنایا تھا، میں تم کو دعوت دیتا ہوں ایک اللہ پر ایمان لانے کی، جس کا کوئی شریک نہیں اور اس کی اطاعت، موالات کی اور یہ کہ تم میری اتباع کرو، اور جو کچھ میرے اوپر وحی آئی ہے اس پر ایمان لاؤ، پس بیشک میں اللہ کا رسول ہوں اور میں تم کو اور تمہارے لشکروں کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں، میں نے اپنا پیغام کہہ دیا اور نصیحت پوری کر دی، پس یہ نصیحت قبول کرو اور سلام ہو اس پر جو ہدایت کا پیرو ہو''۔(نبی رحمت ۳۷۶)

مقوقس کے نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نامہ مبارک ارسال کیا وہ حسب ذیل ہے:

''خدا رحمٰن ورحیم کے نام سے محمد رسول خدا کی طرف سے مقوقس رئیس قبط کے نام، اس کو سلامتی ہو جو ہدایت کا پیرو ہو، اس کے بعد میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام لے آؤ سلامت رہو گے، خدا تم کو دوگنا اجر دے گا، اگر تم نے نہ مانا، تو اہل ملک کا گناہ تمہارے اوپر ہوگا، اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے، وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور ہم میں سے کوئی کسی کو (خدا کو چھوڑ کر) خدا نہ بنائے اور تم نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم مانتے ہیں''۔(نبی رحمت ۳۷۷)

اس مذکورہ خط کو لے کر قبطیوں کے سردار مقوقس کے پاس حضرت حاطب بن ابی بلتعہ گئے، اس نے آپ کے قاصد کا احترام کیا اور بڑے اعزاز و اکرام سے آپ کے نامہ مبارک کو پڑھا؛ لیکن ایمان نہیں لایا اور اس نے آپ کے نامہ مبارک کا جواب بھی ارسال کیا، جس کی عبارت یہ ہے:

''محمد بن عبداللہ کے نام مقوقس رئیس قبط کی طرف سے! سلام علیک کے بعد، میں نے آپ کا خط پڑھا اور اس کا مضمون اور مطلب سمجھا، مجھ کو اس قدر معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والے ہیں؛ لیکن میں یہ سمجھتا تھا کہ وہ شام میں ظہور کریں گے، میں نے آپ کے قاصد کی عزت کی اور دو لڑکیاں بھیجتا ہوں جن کی قبطیوں (مصر کی قوم) میں بہت عزت کی جاتی ہے اور میں آپ کے لیے کپڑا اور سواری کا ایک خچر بھیجتا ہوں''۔(سیرت النبی ۲۸۳)

بہر حال آپ نے ان کے علاوہ اور بہت سے خطوط مختلف مذاہب اور مختلف ممالک کے بادشاہوں کے نام روانہ کیے جن کی تعداد دوسو پچاس سے زائد ہے اور اس وقت تک پانچ نامہائے مبارک کے اصل نسخے دریافت ہو چکے ہیں، ان کی تصویریں بھی بہت سے اسلامی رسائل واخبارات میں شائع ہو چکی ہیں۔

جہاں تک مقوقس کے نام سے فرمان مبارک کا تعلق ہے، فرانسیسی مستشرق Barthelemy کو مصر کے مقام اخمیم کے ایک قدیم دیر میں ۱۸۵۰ء میں ہرن کی جھلی پر لکھی ہوئی ایک تحریر ملی، مطالعہ اور تحقیق کے بعد ثابت ہوا کہ یہ وہ فرمان مبارک ہے جو مقوقس کے نام بھیجا گیا تھا۔(''ایشاٹک جرنل'' ۱۸۵۴ء اور رسالہ ''الہلال مصر'' نومبر ۱۹۰۴ء)

اسی طرح نجاشی اور کسریٰ کے نام کے فرمان کی اصل مل چکی ہے، رومی بادشاہ ہرقل کو بھیجا جانے والا مکتوب گرامی اسپین میں ساتویں صدی ہجری تک محفوظ تھا، جس کا پتہ چھٹی صدی کے مشہور محدث ومؤرخ علامہ سہیلی نے دیا۔(حاشیہ سیرت النبی، نقوش رسول نمبر پاکستان)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہر عمل سے اپنی امت کو دعوت کا جو ایک پیغام دیا ہے اور حکمت، دانائی کی جو جیتی جاگتی تصویریں آپ نے عملی طور پر پیش کی ہیں اگر ان کو آب زر سے لکھ دیا جائے تب بھی اس کا

حق ادا نہیں کیا جاسکتا، اگر آپ کے ان نکات اور باریکیوں کو جو آپ مختصر سی زندگی میں عملی طور پر آنے والی امت کے لیے ایسے طریقے پر جو ہر دور میں ان کے لیے مشعل راہ ہوگی اور جب بھی امت پر مصائب ومشکلات کی یورش ہوگی تو وہ ان نکات اور باریکیوں سے اپنے مسائل حل کرے گی اور ان کو سامنے رکھ کر زمانے کے انقلاب اور فتنوں سے اپنے آپ کو محفوظ کر کے منصب نبوت کی ذمہ داری کو منصب نبوت پر فائز ہوئے بغیر انجام دے سکے گی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پیغام حق کو جس کا اللہ تعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکلّف بنایا ہے:

''اے پیغمبر جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی رسالت کا حق ادا نہ کیا اور اللہ تعالی حفاظت کرے گا تمہاری لوگوں سے''۔(المائدہ ٦٧)

انہی حکیمانہ اسلوب سے جو آپ نے اختیار کیے تھے یعنی مخاطب کی ذہنی سطح، مزاج کیفیت، موقع ومحل کی رعایت کی مطابقت رکھتے ہوئے آپ منصب نبوت پر فائز ہوئے بغیر منصب نبوت کی ذمہ داری کو انجام دے سکتے ہیں، اگر ان طریقوں سے ہٹ کر اپنی ذہانت وذکاوت اور محض عقل پر اعتماد کرتے ہوئے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی تو وہ اپنے آپ کو دھوکہ میں ڈالے اور گمراہی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا، ان قدماء اور حکماء جنھوں نے محض اپنی عقلوں سے انبیاء کے بتائے ہوئے طریقوں سے ہٹ کر حکمت ودانائی سے کام لیا پھر ان کو گمراہی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ارباب عقل ان لوگوں کے کلام پر غور کریں جن کو اپنی عقل اور تحقیق کا اتنا غرہ ہے کہ انبیاء کی بتائی ہوئی باتوں کو ٹھکرا دیتے ہیں، اپنی حکمت کی انتہا اور فلسفہ کے اعلی معیار پر دیوانوں جیسی باتیں کرتے ہیں اور ثابت شدہ متعین حق کو اپنی پرفریب اور شکوک میں مبتلا کرنے والی باتوں سے رد کر دیتے ہیں''۔

اگر ہم آپ کے پیغام دعوت کو محض اپنی عقلوں کے گھوڑے دوڑا کر نہیں بلکہ قرآن وسنت کی روشنی میں مخاطب کی فطرت سلیمہ کی رعایت کرتے ہوئے حکیمانہ انداز سے تکلف وتصنع سے بچتے ہوئے کام لیں گے، تو ہم اپنی معمولی سی کوشش وکاوش سے زمانہ کے اندر انقلاب پیدا کر سکتے ہیں؛ لیکن شرط یہ ہے کہ طلب صادق ہو، مثلاً وہ نامہ مبارک جن کے ذریعہ سے آپ نے مختلف ممالک کے بادشاہوں کو دعوت دی اور آپ نے ان خطوط میں کن کن باتوں کو ملحوظ رکھا، چونکہ وہ مختلف مذہبوں کو ماننے والے بادشاہ تھے جیسے ہرقل اور مقوقس الوہیت مسیح کے قائل تھے اور انہیں ابن اللہ مانتے تھے اور کسری آتش پرست اور دو خداؤں کو ماننے والا تھا، تو جب آپ نے ہرقل اور مقوقس کے پاس اپنے قاصدوں کے ذریعہ سے خط لکھے تو چونکہ یہ دونوں اہل کتاب تھے تو آپ نے ان کو نامہ مبارک لکھتے وقت ان کی ذہنی سطح اور ان کی نفسیات وعقائد کا لحاظ کیا، اور خط کا آغاز بسم اللہ سے کیا، پھر اس کے بعد ''من محمد بن عبداللہ ورسولہ الی ہرقل عظیم الروم'' اور ''من محمد عبداللہ ورسولہ الی مقوقس عظیم القبط'' اور ساتھ ہی ساتھ قرآن کریم کی یہ آیت بھی تحریر فرمائی:

''آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب! ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے، کہ بجز اللہ تعالی کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالی کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں کوئی کسی دوسرے کو رب نہ قرار دے خدا تعالی کو چھوڑ کر، پھر اگر وہ لوگ اعراض کریں تو تم لوگ کہہ دو کہ تم اس کے گواہ رہو کہ ہم تو ماننے والے ہیں''۔(آل عمران ٦٤)

وہ فرمانروا جو آپ کے گرامی ناموں سے مشرف باسلام ہوئے ان کے نام حسب ذیل ہیں:

نجاشی حبشہ اصحمہ بن ابجر، شاہ بحرین منذر بن ساوہ، شام کے گورنر فروہ بن عمر خزاعی، دومۃ الجندل کے حکمراں اکیدر، یمن وطائف کے حکمراں ذوالکلاع حمیری، شاہ عمان جیفر۔

اور وہ حکمراں جو ایمان کی بیش بہا دولت سے نہ صرف محروم رہے

بلکہ کچھ ہی عرصہ میں وہ خود اوران کی سلطنت تباہ وبرباد ہوگئی، ان میں ہوزہ بن ابی حاکم یمامہ، جریج بن متی شاہ مصر ملقب بہ مقوقس، خسرو پرویز شاہ ایران، نیز شاہ قسطنطنیہ ہرقل وغیرہ تھے۔ (نقوش رسول نمبر ۱؍ صفحہ ۴۱۷)

ان مذکورہ خطوط سے جو آپ نے مختلف ممالک اور مختلف مذاہب فکر کے بادشاہوں کے پاس لکھے، ان کے اندر آپ نے کتنی وسعت اور فراخدلی سے ان بادشاہوں کے مذہب اوران کے حاملین کی خوبیوں کا اعتراف کیا، ان کی نفسیات اور مزاجی کیفیت کو سامنے رکھ کر آپ نے ان کو دعوت پیغام دیا، اس سے اسلام کی وسعت اور آپ کی تعلیم کا عملی نمونہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور یہ بات بھی واضح طور پر ان مذکورہ خطوط سے سمجھی جاتی ہے کہ اسلام کی بنیادی تعلیم کے اندر نہ اختلاف نسل ہے، نہ اختلاف رنگ؛ بلکہ اس کی بنیاد خدا شناسی پر ہے اور یہ خصوصیت اسلام ہی کو حاصل ہے کہ دنیا کے تمام قوموں کی شیرازہ بندی کے لیے صرف دین واحد کو آپ نے پیش کیا، آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ نے اپنی دعوت کے ہر پہلو پر خود بھی عمل کر کے دکھایا اور اپنے ہر عمل کے اندر انسانیت کے لیے دعوت کا بہترین نمونہ پیش کیا، تاکہ لوگ صرف آپ کے ارشادات پر ہی عمل پیرا نہ ہوں بلکہ آپ کے اعمال وافعال کی بھی پیروی کریں اور زندگی کا کوئی گوشہ اور قلب کا کوئی ریشہ ایسا باقی نہ رہے، جس پر آپ کی سیرت اور کردار کی گہری چھاپ نہ ہو، آپ کی زندگی قرآن کی جیتی جاگتی تصویر ہے "لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ أسوۃ حسنہ" اور آپ کی سیرتِ پاک کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح طور پر سمجھ میں آجاتی ہے کہ آپ نے دعوت کو باقی تمام کاموں پر مقدم رکھا اور آپ اس میں ہمہ تن مصروف رہتے۔

آج دنیا خاص طور سے مغرب نے ترقی کے جو منازل طے کر لیے ہیں وہ ناقابل یقین حد تک پہنچ چکے ہیں، سائنس، ٹکنالوجی، سیاسی، مادی، اقتصادی اور وسائل معیشت غرضیکہ زندگی کے جتنے بھی شعبے ہیں ان کو اس میں برتری حاصل ہے، لیکن ان تمام ترعظیم الشان ترقیوں کے باوجود وہاں کے لوگ سخت بے اطمینانی میں مبتلا ہیں، ان کی اخلاقی قدروں کو گھن لگ چکا ہے، معاشرہ اور سوسائٹی کے اندر عریانیت اور بے حیائی عام ہوچکی ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے بنیادی تصورات کسی خاص قسم کے علوم توازن کا شکار ہیں، وہ اپنی اس طرز حیات سے عاجز ہوگئے ہیں، ان کو اس مادی ترقی کے اندر سکون میسر نہیں ہورہا ہے، اس لیے ان کو اب کسی ایسے پیغام کی ضرورت ہے جس سے ان کے معاشرہ اور سوسائٹی کے اندر بگڑا ہوا توازن بحال ہوسکے، ان کو اس نازک مرحلہ میں کسی ایسے مسیحا کی تلاش ہے جو ان کی اضطراب اور بے اطمینانی کو ختم کردے، اور قلبی سکون واطمینان جس کی وجہ سے وہ منہ اٹھا کر ان مسیحاؤں کی تلاش میں دنیا کی خاک چھان رہے ہیں، لیکن ان کو اپنے مرض کی دوا اس طور پر نہیں مل رہی ہے جو ان کے درد کا درماں ہو، وہ مایوسی اور ذہنی الجھنوں میں پھنس کر زندگی کی پرخار وادیوں میں چکر لگا رہے ہیں، اس لئے ہمارا یقین ہے کہ اب جس پیغام کی تلاش میں ہے وہ پیغام، پیغام محمدی اور قرآن کریم کے اندر موجود ہے، جو ان کے لیے اس موجودہ دور میں مشعل راہ ثابت ہوسکتا ہے، اس لیے حق کے داعیوں کے لیے ضروری ہے کہ آج دعوت کا کارواں محوخواب ہے، اس کو خواب استراحت سے بیدا ہوکر آپ کے پیغام حق کو اوراس دین فطرت کو جس کا اللہ تعالی نے آپ کو پیغمبر اسلام کے بعد مکلّف بنایا ہے "تاکہ پیغمبر تمہارے بارے میں شاہد ہوں اور تم ان لوگوں کے مقابلہ میں گواہ رہو"۔ (سورہ حج ۷۸)

گزارش

ماہنامہ نقوش اسلام ایک دینی، دعوتی تاریخی معلوماتی ادبی اور اصلاحی رسالہ ہے، اسے خود بھی پڑھئے اور اپنے زیادہ سے زیادہ احباب کو بھی اس کے پڑھنے کی ترغیب دیجئے، اس کی سال بھر کی ممبری فیس صرف ۱۰۰؍ روپیہ ہے۔ (ادرہ)

اصلاحیات

اصلاح معاشرہ اور خواتین

مولانا اسرار الحق قاسمی صدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن نئی دہلی

خاندان کی بقا اور تسلسل کا دارومدار عورتوں پر ہے کہ وہی نسل انسانی کی افزائش کا بنیادی ذریعہ ہیں، چنانچہ قرآن کریم میں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کا ذکر اسی تعلق سے ہے کہ خدا نے دونوں کو پیدا کیا اور پھر انہیں ایک لغزش کی پاداش میں زمین کی طرف بھیج دیا اور کہا کہ اپنی نسل بڑھاؤ، عورت اور مرد کو نسلِ انسانی کے تسلسل کو برقرار رکھنے کا ذریعہ بنایا، اس طرح خدا نے خاندانی نظام کی تشکیل کی اور مرد وعورت دونوں کو اس کی ذمے داری تفویض کردی۔

خاندان کا نظام بھی درحقیقت عورت اور مرد کے مساوی حقوق اور حیثیت کا اشارہ ہے اور اس بات کا احساس کہ دونوں ہی ایک دوسرے کے لیے لازمہ یا جز کی حیثیت رکھتے ہیں، چنانچہ قرآن کریم میں بارہا تخلیق انسانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صاف طور پر کہا گیا ہے ''اس نے تم ہی میں سے تمہارے جوڑے پیدا کئے اور جانوروں میں بھی جوڑے پیدا کیے اس طرح وہ تمہیں پھیلاتا ہے''۔ (الشوریٰ ۲)

تعلیم کے حصول کے سلسلہ میں اسلام نے مرد وعورت کے درمیان کسی طرح کی کوئی تخصیص نہیں کی ہے، چنانچہ قرآن وحدیث میں جہاں لوگوں کو علم حاصل کرنے کی طرف رغبت دلائی گئی ہے، وہیں مرد وعورت کے درمیان تعلیم کے تعلق سے کوئی امتیاز نہیں رکھا گیا ہے، ارشاد خداوندی ہے'' رحمٰن نے قرآن سکھایا، انسان کو پیدا کیا اور اسے بات کرنا سکھایا'' (الرحمٰن ا تا ۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''حکمت کی بات مومن کا متاع گمشدہ ہے'' (ترمذی) مسلمانوں کے لیے تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے، اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا گیا ''علم کا سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے'' اسلام کی مذکورہ تعلیمات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ تعلیم تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے، چاہے وہ مسلمان مرد ہوں یا وہ مسلمان عورتیں ہوں۔

تعلیم چاہے دینی ہو یا دنیوی، دونوں طرح کی تعلیم خواتین کے لیے اہم ہے، دینی تعلیم خواتین کے لیے اس لیے ضروری ہے کہ اسلام نے انہیں فرائض کی انجام دہی کا بھی مکلّف بنایا ہے، مثال کے طور پر پانچ وقت کی نمازیں جس طرح مردوں پر فرض کی گئی ہیں، اسی طرح عورتوں پر بھی فرض کی گئی ہیں، ایسے ہی خواتین پر روزے بھی فرض کئے گئے ہیں، صاحب نصاب ہونے پر زکوۃ بھی فرض ہے، اور حج کی استطاعت کی صورت میں حج بھی فرض ہے، جس طرح عبادات کا عورتوں کو مکلّف بنایا گیا ہے، اسی طرح عقائد کے سیکھنے سکھانے کا بھی مکلّف بنایا گیا ہے جب وہ جزا اور سزا کے مکلّف ہیں تو ان کے پاس علم کا ہونا بھی ضروری ہے۔

خواتین کے لیے عصری تعلیم کی اہمیت سے بھی انکار کی گنجائش نہیں، مثلاً ریاضی، عام معلومات، امور خانہ داری، لسانیات اور دستکاری جیسی چیزیں خواتین کے لیے بھی اہم ہیں، گھر کے نظام کو چلانے کے لیے کسی حد تک حساب کتاب کی ضرورت پڑتی ہے، معاشرہ کی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے قدرے عام معلومات بھی مفید ثابت ہوتی ہیں، امور خانہ داری کا علم تو خواتین کے لیے اور زیادہ ضروری ہے، کیونکہ عام طور سے عورتیں کھانا بناتی ہیں، عام طور سے گھر کی صفائی بھی وہی کرتی ہیں، اور ہر چیز کو قرینہ سے رکھنے کی خدمات بھی وہی انجام دیتی ہیں، اس لیے گھر کے معاملات کی بڑی حد تک جانکاری ہر عورت کو ہونی چاہئے۔

دینی وعصری دونوں ہی طرح کی تعلیم خواتین کے لیے اہم ہے، البتہ دینی تعلیم پر خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے، ایک تو اس لیے کہ دینی تعلیم اپنے آپ میں ایک مکمل تعلیم ہے، دوسرے یہ کہ دینی تعلیم انسان کو صحیح

شعوراورانسان کو ہرطرح کی بدعنوانی، جرائم اورفتنہ وفساد سے نجات دیتی ہے، گھریلو، خاندانی اورمعاشرتی زندگی کو صالح بناتی ہے، روحانی وذہنی سکون عطا کرتی ہے، دینی تعلیم انسان کو مالک حقیقی کی طرف راغب کرتی ہے کہ سارے جہان کا مالک وخالق اللہ ہے، وہی کارساز ہے، وہی رازق ہے، اسی کے اشاروں پر کائنات کا نظام قائم ہے، اسی نے کائنات میں بےشمار مخلوقات کو پیدا کیا ہے، اسی نے انسان کو اعلی مقام سے نوازا ہے، اسی کے حکم پر ہر چیز فنا ہونے والی ہے، اور ہر انسان کو روز قیامت اس کے حضور حاضر ہونا ہے، جن لوگوں کا اللہ پر ایمان ہوگا اور جنہوں نے اس کے احکام کی تعمیل کی ہوگی، وہی لوگ فلاح یاب وکامیاب ہوں گے، اور انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل کردیا جائے گا، مگر جو لوگ اللہ پر ایمان نہ رکھتے ہوں گے اور اللہ کے احکام کو نہ ماننے والے ہوں گے ان کو کفروشرک کی پاداش میں جہنم میں ڈال دیا جائے گا، جو انتہائی بھیانک ٹھکانہ ہے، دین کی یہ تعلیمات یقیناً انتہائی موثر ہیں۔

صحابیات تعلیم کی اہمیت وعظمت کے پیش نظر مختلف علوم وفنون کے حصول میں خوب دلچسپی لیتی تھیں، مختلف علوم وفنون میں صحابیات نے جو مقام حاصل کیا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر عورتوں کے لکھنے پڑھنے کی ممانعت ہوتی تو صحابیات کا علم وفضل میں اتنا بلند مقام نہ ہوتا، اورصرف یہی نہیں کہ صرف احکام شرعیہ اوردینی روایت میں صحابیات کو درک حاصل تھا بلکہ شاعری، طب اور انساب عرب پر بھی صحابیات کو عبور حاصل تھا، خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مثال سامنے ہے جن کے بارے میں حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں ''میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا کہ قرآن کے فرائض، حلال وحرام، شعروطب، تاریخ عرب اور انساب عرب کے متعلق حضرت عائشہ سے زیادہ علم رکھتا ہو''۔ حضرت ابوموسی اشعری کہتے ہیں ''اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی کسی مسئلہ میں کوئی اشکال ہوتا تو ہم حضرت عائشہ سے اس کی بابت پوچھتے اوران کے پاس ہم اس کے بارے میں کوئی علم پالیتے۔

مختلف علوم وفنون میں خواتین کی جو خدمات رہی ہیں وہ ناقابل فراموش ہیں، ان کی خدمات سے واضح ہوتا ہے کہ خواتین تعلیم اور تفقہ کے میدان میں مردوں سے پیچھے نہیں تھیں، ان کے شاگردوں میں خطیب بغدادی اور الحمیدی جیسے لوگ شامل ہیں، ان کے علاوہ محدثات میں ام الخالق، جویرہ بنت احمد، عائشہ بنت الہادی اور بنت العرب مشہور نام ہیں، جن کی خدمات علم حدیث کے ضمن میں اتنی روشن ہیں کہ ابن حجر نے ''الدررالکامنہ'' میں ایسی خواتین کی سوانح لکھی ہے اور صرف آٹھویں صدی کی ۱۷۰ خواتین کا ذکر کیا ہے، جس میں سے اکثر کا تعلق علم حدیث سے رہا ہے، اور جو علم حدیث کے تعلق سے ماہر سمجھی جاتی ہیں۔

فقہ اور فتاوی میں بھی خواتین کی خدمات قابل قدر رہی ہیں، صحابیات، تابعیات اور بعد کے ادوار میں بھی فقہ اور فتاوی میں بہت سارے ایسے معتبر نام ہیں جن کا تعلق طبقہ نسواں سے ہے، امۃ الواحد بنت قاضی حسین فقہ شافعی کی ماہر تھیں اور قرآن وفقہ انھیں ازبر تھا، تحفۃ الفقہ کے مصنف شیخ علاء الدین حنفی کی صاحبزادی فاطمۃ فقہ میں اس قدر ماہر تھیں کہ کہا جاتا ہے کہ جب تک کسی فتوے پر ان کے دستخط نہ ہوتے تو فتوی کو معتبر نہیں مانا جاتا تھا، ام الہانی عبوسیہ لمۃ الرحمٰن بنت شیخ تقی الدین بھی اپنے زمانے کی ان خواتین میں ہیں جنھیں فقہ وفتاوی کے میدان میں غیر معمولی عزت اور شہرت ملی۔

فی زمانہ خواتین کے سامنے کئی ایسے مسائل ہیں جو ان کی تعلیم کی راہ میں حائل ہورہے ہیں، مثلاً ایسے تعلیمی اداروں کا یا تو فقدان ہے یا ان کی تعداد بہت کم ہے، جہاں قوم کی بچیاں تعلیم حاصل کرسکیں، ملک بھر میں سرکاری اور عام نجی اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پردے کا رواج نہیں، تعلیم بھی مخلوط ہے اور بعض جگہ پر ایسی سرگرمیاں انجام دینی پڑتی ہیں جو شریعت کے خلاف ہیں، جدیدیت کے نام پر ان کالجوں میں مغربی ماحول پنپتا جارہا ہے، جس سے غیر انسانی اقدار کو بڑھاوا مل رہا ہے دوسرے یہ کہ زیادہ تر اسکولوں اور یونیورسٹیوں میں دینی تعلیم نہیں ہے، جو ہر مسلمان کے لیے لازمی ہے، اس لیے خواتین میں تعلیمی شرح فیصد کو بڑھانے کے لیے ایسے تعلیمی ادارے کھولنے ضروری ہیں، جہاں دینی وعصری دونوں طرح کی تعلیم وتربیت کا پورا انتظام ہو۔

تاریخ کے دامن سے

مسلم سائنسداں ادریسی مایہ ناز جغرافیہ داں

محمد سراج الدین بنگلور

قرون وسطی کے دنیائے اسلام کے مایہ ناز جغرافیہ داں ادریسی کے مختصر نام سے دنیائے یورپ میں بہت ہی مشہور ومعروف ہیں، ان کا پورا نام ابوعبداللہ محمد ادریسی تھا، یہ اسپین کے ایک شہر سیتہ ۱۱۰۰ء میں پیدا ہوئے، انہوں نے قرطبہ میں تعلیم حاصل کی، اس کے بعد وہ صقلیہ (Sicily) چلے گئے، سسلی میں عیسائیوں نے مسلمانوں کی حکومت ختم کر کے ۱۰۹۱ء میں اپنی بادشاہت قائم کی تھی، ان کا پایہ تخت پالیرمو تھا، نارمن بادشاہوں میں راجر دوم (1101-1154ء) نے ادریسی کو اپنے دربار میں بلایا اور انہیں جغرافیائی تحقیق کا کام سونپا، ادریسی نے مختلف ممالک کا مواد جمع ہوجانے کے بعد ایک کتاب ''کتاب الرجار'' تصنیف کی، اس کتاب کے متعلق دل دوراں لکھتے ہیں کہ:

''کتاب میں زمین کو سات موسمی خطوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر خطے کے دس حصے کئے گئے ہیں، ستر حصوں میں ہر ایک حصے کو ایک نقشہ میں دکھلایا گیا ہے، یہ نقشے عہد وسطی کی نقشہ کشی کا زبردست کارنامہ ہیں، تکمیل درستی اور وسعت میں پہلے ان کی کوئی مثال موجود نہیں تھی جے، یچ، کریمرس اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں کہ ادریسی کے دو ایڈیشنوں میں ستر نقشے پائے گئے ہیں، ہر ایک نقشہ سات موسمی خطوں کے ہر دسویں حصہ کی نمائندگی کرتا ہے، اس طرح سے انہوں نے مسلم ماہر نجوم کی بنائے ہوئے وضع پر دنیا کو تقسیم کیا ہے، لیکن مخصوص اسلامی نظریہ کے تحت دونوں سمندروں کو دکھایا گیا ہے اور تفصیلات میں خصوصی طور پر یہ بحرہ قلزم کا ساحل دکھلایا گیا ہے جو کہ پیشتر اسلامی نقشوں سے بہتر پایا گیا ہے۔

زمین کی گولائی سے مسلمان آٹھویں صدی میں واقف ہوگئے تھے، کئی مسلم سائنسدانوں کا یہ نظریہ تھا کہ زمین کی شکل کروی (یعنی گول ہے) اسی نظریہ کو مانتے ہوئے ادریسی نے اپنے نقشے بنائے تھے، انہوں نے ۱۱۵۴ء میں پوری دنیا کا ایک نقشہ بنایا جس کی خواہش راجر دوم نے کی تھی، انسائیکلو پیڈیا کے مقالہ نگار لکھتے ہیں کہ ''ادریسی نے سسلی کے عیسائی بادشاہ راجر کے لیے ۱۱۵۴ء میں ایک دنیا کا نقشہ تیار کیا جس میں ایشیائی علاقوں کے بارے میں اس وقت تک کے دستیاب حالات سے زیادہ بہتر معلومات دی گئی تھیں۔

ڈاکٹر قادرلون لکھتے ہیں کہ ادریسی نے یہ نقشہ چاندی کا بنایا تھا اور اس میں کمال مہارت کے ساتھ دنیا کے ممالک دکھائے گئے تھے، نقشے میں پہاڑ، دریا، جنگل اور وادیاں بھی دکھائی گئی تھیں، علاوہ ازیں انہوں نے چاندی کا ایک آسمانی کرہ بھی بنایا تھا، فلپ کے ہٹی اپنی تصنیف ہسٹری آف دی عربس میں ادریسی کی تصنیف کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

"Besides This Monumeulat Work Al-idrisi Conslructed For his Normau Patron a Cebsliat Sphere and a Disk Shaped onap of the wold Both in Silver" اس یادگار تصنیف کے علاوہ ادریسی نے اپنے نارمن سرپرست کے لیے ایک آسمانی کرہ اور ٹکیا کی شکل کا ایک عالمی نقشہ تیار کیا تھا، یہ دونوں چاندی میں بنائے گئے تھے''۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ ادریسی کی کتاب صرف شہنشاہ راجر دوم کے دور ہی میں مشہور نہیں تھی، بلکہ یہ کتاب تین سو سال یورپ میں داخل نصاب رہی، اس کے متعدد خلاصے تیار کئے گئے ﴿بقیہ صفحہ ۳۹ ر پر﴾

مراحل زندگی

پہلی قسط

روشن مستقبل کا جوان

ڈاکٹر سیف اللہ راشد جابری دوبئی.................. ترجمانی: مولانا عبدالحمید اطہر ندوی بھٹکلی

عمری مرحلہ:

نوجوانوں کے بارے میں گفتگو کرنے سے پہلے خود ان کو اس عمر کی قدر و قیمت اور اہمیت سے واقف کرانا ضروری ہے، جوانی کی عمر بڑی اہم ہوتی ہے، اسی لیے اس عمر کو یوں ہی ضائع کر دینا مناسب نہیں ہے، اور ضائع ہونے سے پہلے اس کو بہترین استعمال میں لانا ضروری ہے۔

اللہ عزوجل کی حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان مختلف تخلیقی مرحلوں سے گزرتا ہے تاکہ یہ تخلیق خالق کا پتہ دے سکے، اور انسان کے دل میں خدا کی عظمت پیوست ہو جائے، جس کے نتیجہ میں وہ اللہ پر سچا اور پکا ایمان لے آئے اور اس کے احکامات پر ایک بندے کی طرح عمل کرے کیونکہ اس کی وجہ سے وہ اپنے رحم کرنے والے پروردگار کی عظمت کو پہچانتا ہے، اللہ نے مندرجہ ذیل آیت میں انسان کی اصل خلقت پر توجہ مبذول کرائی ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے " وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ أَفَلَا تُبْصِرُوْنَ وَفِی السَّمَاءِ رِزْقُکُمْ وَمَاتُوْعَدُوْنَ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ اِنَّهُ لَحَقٌّ مِثْلَ مَاأَنَّکُمْ تَنْطِقُوْنَ" اور خود تم میں اس کی نشانیاں موجود ہیں، کیا تم دیکھتے نہیں ہو، اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، آسمان اور زمین کے رب کی قسم یہ اسی طرح حق بات ہے جس طرح کہ تو بولتے ہو (سورۃ الذاریات ۲۱ تا ۲۳) یعنی ہم اپنی تخلیق کی طرف اور اپنے جسم کے تکوینی مرحلوں کی طرف دیکھیں تاکہ یہ ہم کو اپنے رب اور پروردگار کا پتہ دے اور ہمیں اس کے اوامر و احکام کے وعدہ اور اس کی نافرمانی کرنے والوں کے لیے دردناک عذاب کی وعید پر یقین ہو جائے، جو انسان تکبر کرتا ہے اور اللہ عزوجل کی عبادت سے اعراض کرتا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر کاربند نہیں ہوتا وہ ناکام اور نامراد ہے، اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی ہم کو خود اپنی ذات پر غور کرنے کا حکم دیتا ہے، کیا تم کو اپنے وجود کے سلسلہ میں شک ہے، ہرگز نہیں، بالکل اسی طرح ہمیں اپنے رزق، عمر اور اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے میں بھی شک نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ اللہ تبارک وتعالی نے ہم کو بتایا ہے کہ اس کا وعدہ اور وعید دونوں حق ہیں اور اس حق اور سچ کا انکار ناممکن ہے، کیونکہ انسان اس بات سے انکار کر ہی نہیں سکتا کہ وہ بولتا ہے اور سنتا ہے، چنانچہ اللہ نے اس حق اور سچ کو ثابت کر دیا ہے اور ہمیں بتایا کہ اس کا معاملہ اسی طرح سچ ہے جیسا کہ ہم بولتے ہیں اور گفتگو کرتے ہیں، کیا کوئی اپنے بولنے میں شک کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

اللہ نے انسان کو مختلف مرحلوں میں پیدا کیا ہے، دنیا میں ہر مرحلہ کے احکام ہیں اور اسی کے مطابق آخرت کے احکام مرتب ہوتے ہیں اللہ تعالی نے سچ فرمایا ہے " مَالَکُمْ لَاتَرْجُوْنَ لِلّٰہِ وَقَاراً وَقَدْ خَلَقَکُمْ أَطْوَاراً" کیا ہو گیا ہے تم کو؟ اللہ سے بڑائی کی کیوں امید نہیں رکھتے اور اس نے تم کو مرحلوں میں پیدا کیا۔ (نوح ۱۳-۱۴)

جوانی کی اہمیت کو جاننے کے لیے انسانی تخلیق کے مختلف مرحلوں سے واقف ہونا ضروری ہے، یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کو اس کی ماں کے پیٹ میں جنین کی شکل میں پیدا کیا، پھر اس

کو دنیا میں دودھ پیتے بچے کی شکل میں بھیجا، پھر وہ بچہ ہوا، پھر ممیّز بنا، پھر نوجوان ہوا، جس کے بعد اس پر احکام اور قوانین نافذ ہونا شروع ہوئے، پھر بوڑھا ہوگیا، کبھی اس میں بچے کی عادتیں لوٹ آئیں تو کھوسٹ کہلایا، انسان کی ذات میں فطری تخلیقی تبدیلیوں کے سلسلہ میں ''بیولوجی کے اصول'' کا مصنف کہتا ہے ''حیوان کے معاشرہ میں استقرار ہے اور انسانی معاشرہ بدلتا رہتا ہے، کائنات کی تمام مخلوقات کی بنیاد فطرت پر ہے، ہر مخلوق کا ایک مخصوص اجتماع نظام ہے، چونکہ فطرت حیوان کے سلوک پر غالب آجاتی ہے، اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حیوانوں کی نصف آبادی کی طبیعت میں ثبات ہے اور ان کے معاشروں میں استقرار پایا جاتا ہے، البتہ انسان فطری، معاشرتی اور فکری طور پر تہذیبی مخلوق ہے، اسی لئے انسانی معاشرہ میں ٹھہراؤ نہیں ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ مختلف تہذیبیں اور معاشرے پائے جاتے ہیں، دوسری دلیل یہ ہے کہ انسانی سلوک اس کی فکر اور فطرت سے وجود میں آتا ہے، اسی وجہ سے انسان کے ایام طفولیت اور جوانی میں اس کے مثبت اور منفی جذبات کے ساتھ اس کی فکری ہم آہنگی سے اس کی شخصیت بنتی ہے''۔ (ڈاکٹر ابراہیم فرید صفحہ ۱۲۹)

اسی وجہ سے ہر نوجوان مرد اور عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک لمحہ ٹھہر کر اپنی ذات میں غور خوض کرے؛ کیونکہ جوانی کا جوش نوجوانوں کے لیے اپنے آس پاس کے بارے میں سوچنے میں رکاوٹ بنتا ہے، اس سے صرف چند ہی نوجوان مستثنٰی ہیں، امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''جان لو کہ اللہ تعالی نے انسان کی زندگی کو تین مرحلوں میں تقسیم کیا ہے:

۱-بچپن ۲-جوانی ۳-بڑھاپا

یہ ترتیب بالکل صحیح ہے اور عقل کے مطابق بھی، کیونکہ انسان اپنی ابتدائی عمر میں پروان چڑھتا ہے جس کو بچپن کہا جاتا ہے، دوسرے مرحلہ میں یہ نشو ونما کمال تک پہنچتی ہے اور اس کی عمر پختہ ہوجاتی ہے، اس میں کوئی کمزوری اور ضعف نہیں آتا، اللہ تعالی کے قول'' ولتبلغوا أشدكم'' سے مراد یہی ہے اور یہ جوانی کی عمر ہے۔

تیسرے مرحلے میں انسان کی عمر ڈھلتی ہے اور اس میں کمزوری اور ضعف کے اثرات نمودار ہوتے ہیں، اللہ تعالی کے قول'' ولتکونوا شیوخاً'' سے زندگی کا یہی مرحلہ مراد ہے۔

تخلیق اور اس کے تین مرحلوں (تخلیقی مرحلہ، صفاتی مرحلہ اور نعمتوں والا مرحلہ) میں ایک نصیحت ہے تاکہ ہم اپنے مقصد اور مطلب تک پہنچ جائیں، جس کے لیے سب سے بہتر عمر جوانی کی ہے۔

تخلیقی مرحلہ:

میں اس مرحلہ کی تفصیلات میں نہیں جانا چاہتا کیونکہ یہ بڑا عظیم مرحلہ ہے، لیکن اس میں ہمارے لیے نصیحت اور عبرت کا سامان ہے ہم اپنی ماں کے پیٹ میں جنین تھے، ہمارا تخلیقی مرحلہ کیسے مکمل ہوا؟ منی کے نطفہ سے جما ہوا خون بنا، پھر گوشت کا لوتھڑا بنا، پھر یہ جنین پوشیدہ رسی (حبل سری) کے راستے پہنچائی جانے والی غذا کے ذریعہ پروان چڑھا، یہاں تک کہ تخلیقی مرحلہ مکمل ہوا، اس عظیم طریقہ سے انسان کی تخلیق ہوئی اور انسان کو اس تخلیق میں کسی طرح کا بھی اختیار نہیں رہا، یہ تکوینی مرحلہ کا پہلا دور ہے جس میں جسمانی صفات اللہ کی طرف سے تخلیق کے مطابق ہی یکجا ہوتے ہیں اور اس میں ہمارا کوئی بھی اختیار نہیں رہتا کیونکہ ہم بندے ہیں اور وہ رب، اسی وجہ سے اللہ تعالی کی تقسیم پر راضی رہنا ضروری ہے اور اس میں کسی شک کی گنجائش ہی نہیں کہ ہر انسان کو اللہ کی طرف سے عطا کردہ ہیئت اور صورت کو قبول کرنا اور اس پر سر تسلیم خم کرنا ضروری ہے، اگر کوئی آپ کی جسمانی تکوین پر اعتراض کرے تو آپ یہی کہیں گے، اللہ عز وجل نے مجھے اس شکل میں پیدا کیا ہے، انسان اس معاملہ کو اللہ کی طرف لوٹاتا ہے اور اس پر قناعت اور رضامندی کا اظہار کر کے سکون اور راحت حاصل کرتا ہے اور اللہ تعالی کی تعریف کرتا ہے، جس کا فرمان ہے:'' هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ'' اللہ وہی ہے جو رحم میں جیسے چاہتا ہے تمہاری شکل بناتا ہے۔

صفاتی مرحلہ:

یہ جوانی کا مرحلہ ہے جو سن بلوغت سے شروع ہوتا ہے اور بڑھاپے کی ابتداء تک رہتا ہے، اس عمر میں انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے نفس کو اللہ کی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرے، جو یقینی غیبی امور مثلاً اللہ پر ایمان، اس کے فرشتوں پر ایمان، اس کی کتابوں رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان، اور تعبدی امور مثلاً نماز، روزہ، زکو اور حج وغیرہ سے عبارت ہے، اسی طرح اس میں کریمانہ اور شریفانہ اخلاق بھی شامل ہیں، جن سے انسان مہذب بنتا ہے، اعمال صالحہ بجالاتا ہے اور مکارم اخلاق کو اپناتا ہے، کیونکہ یہ دنیا صفات حاصل کرنے کی جگہ ہے اور آخرت بہترین صفات کی کھیتی کاٹنے کی منزل ہے، اسی وجہ سے نوجوانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس عمر میں ترقی کی کوشش کریں اور اللہ کی کتاب قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم سنت میں وضاحت سے بیان کردہ بہترین صفات مثلاً انصاف، رحم دلی، سچائی، امانت اور دوسروں کا تعاون وغیرہ کے حصول میں اپنی طاقت بھر کوشش کریں، اسی طرح مذموم صفات اور منع کردہ امور سے اجتناب کریں، یہ ہر ایک کی ذمہ داری ہے اور مسلمان کو اس کا بہترین بدلہ دیا جائے گا، اللہ تعالی نے سچ فرمایا ہے:"اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا" بلاشبہ جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک اعمال کیے ان کے لیے بطور مہمانی جنت الفردوس ہیں۔ (کہف ۱۰۷)

نعمتوں کا مرحلہ:

یہ اعمال کا بدلہ پانے کا مرحلہ ہے کیونکہ آخرت صفات کی کٹائی کی جگہ ہے اور دنیا صفات کے حصول کی جگہ، کیونکہ دنیا میں کوئی بھی چیز مکمل نہیں ہے، یہ گزرگاہ ہے، اقامت کی جگہ نہیں ہے، اسی وجہ انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ دنیا میں عمل صالح کا توشہ لے، خیر وبھلائی کو حاصل کرے اور بہترین صفات میں ترقی کرے، کیونکہ انسان کے بہت سے حالات ہیں، اللہ نے اس کے جسم کو مٹی سے بنایا ہے، اسی لیے اس کے حالات میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، کبھی اس کو بھوک لگتی ہے کبھی وہ سوتا ہے، کبھی وہ بیمار پڑتا ہے اور کبھی وہ صحت مند رہتا ہے، اس کے حالات میں ٹھہراؤ نہیں، چنانچہ جب وہ کھاتا ہے تو اس کو قضائے حاجت کی ضرورت پڑتی ہے، اس کے تمام معاملات مختلف ہیں، یہاں تک کہ اگر اس کے پاس کوئی چیز بڑھ جاتی ہے، تو تھوڑی ہی مدت میں اس میں کمی آ جاتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک ہی وقت میں تمام نعمتوں سے لطف اندوز نہیں ہوسکتا اور اپنی تمام خواہشات کو پورا نہیں کرسکتا۔

لِكُلِّ شَيْءٍ اِذَا مَاتَمَّ نُقْصَانُ فَلَا يَغُرَّ بِطِيْبِ الْعَيْشِ اِنْسَانُ

ہر چیز جب مکمل ہوتی ہے تو اس میں کمی آ جاتی ہے، چنانچہ کوئی انسان بہترین زندگی سے دھوکہ نہ کھائے۔

البتہ آخرت میں اللہ تعالی کے وعدہ کے مطابق اہل طاعت کے لیے مکمل نعمت حاصل ہوگی، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: لَهُمْ مَايَشَاؤُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ" ان کے لیے اس (جنت) میں جو چاہے ہوگا اور ہمارے پاس اس سے زیادہ بھی ہے۔ (سورہ ق ۳۵)

اسی وجہ سے صفات کو حاصل کرنے میں انسان کو کوشش اور جدوجہد کرنا چاہئے، کیونکہ اسی پر نعمتوں کا حصول منحصر ہے، آخرت میں حالات بدل جائیں گے، جسمانی ساخت تبدیل کردی جائے گی، اس کو ہر نعمت سے مکمل طور پر لطف اندوز ہونے کی قابلیت اور صلاحیت دی جائے گی، جس سے اللہ کی اطاعت کے خاطر اس نے دنیا میں اجتناب کیا تھا یا جسمانی قابلیت نہ رہنے کی وجہ سے اس نعمت سے مکمل طور پر لطف اندوز ہونے سے محروم تھا، البتہ آخرت میں اس کی خواہشات اس کی جسمانی ساخت کے مطابق ہوگی، یہ سب چیزیں جنت والوں کے لیے ہوں گی، جنھوں نے دنیا میں صرف ایک اللہ کی عبادت کی اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے، ان تین مرحلوں سے اس دنیا میں عمل کرنے کا طریقہ کار معلوم ہوتا ہے اور انسانی تخلیق کے مرحلوں سے اللہ عزوجل کی معرفت حاصل ہوتی ہے ﴿بقیہ صفحہ ۳۵ پر﴾

اعتراف وتقدیر

نقوش اسلام پر تبصرہ

تبصرہ نگار: حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی ماہنامہ ''القاسم'' خالق آباد نوشہرہ، سرحد پاکستان

مرکز احیاء الفکر الاسلامی کی طرف سے بہت بہتر ہوا کہ ابھی رسالے کا نام مفکر اسلام تجویز ہوا تھا کہ تبدیل ہوکر ''نقوش اسلام'' ہوگیا، جس سے ہمیں نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کو اتفاق ہے، اس لیے ''مفکر اسلام'' تو ہزاروں سال کے بعد پیدا ہوتے ہیں لیکن ''نقوش اسلام'' ہزاروں سال سے ہیں اور رہیں گے اور نقوش اسلام کی افادیت کی آفاقیت مسلم ہوکر ایسے افراد پیدا کرتی ہے جنہیں ''مفکر اسلام'' کہلائے جانے کا بجا طور پر استحقاق حاصل ہوجاتا ہے۔

بایں وجہ ''نقوش اسلام'' کا اجراء ایک خوش آئند پیش رفت ہے، رسالے میں اسلامی فکر کا احیاء اپنی نشاۃ کی جانب گامزن ہے، فکر وعمل، اتحاد واتفاق، سیرت وکردار، توحید واتحاد، اصلاح معاشرہ، درس ادب، تعلیم قرآنی اور تحریک پر مشتمل بہترین مضامین اس پر دال ہیں، ترتیب مضامین ایسی ہے کہ جس سے فکر وعمل کی جامع شخصیت لوح دل پر منقش ہوتی ہے، عدل وامانت، صبر وقناعت، عفت وحیاء صدق وصفا، اخلاق ومحبت، شرافت ومروت، لحاظ وپاسداری، سیر چشمی وخودداری کی اعلی قدریں جن سے انسانیت عبارت تھی اور جو ایک ایک کر کے رخصت ہوگئی ہیں، انہیں واپس لانے میں ''نقوش اسلام'' ایک مثالی کردار ادا کرنے پر مائل نظر آتا ہے۔

۴۸ر صفحات میں ۲۲ر پیغامات کے علاوہ ۱۳ر مضامین کو سمویا گیا ہے، رسالے کا سائز بھی بڑا ہے، مگر ماہانہ چندہ صرف ۱۰ر روپئے ہیں، جو ہوشربا گرانی کے دور میں بہت کم ہے، لیکن اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ رسالہ طلبہ وعلماء اور غریب طبقہ کے اصحاب علم وفن تک رسائی حاصل کرلے گا؛ کیونکہ اس کے مضامین عمدہ ہیں، مثلاً فکر وعمل کے عنوان سے باہمی اتحاد واتفاق کا درس دیا گیا ہے، بنیان مرصوص کے عنوان سے مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی اپنے افکار کے آئینے میں پیش کی گئی ہے، افکار کے عنوان سے مفکر اسلام کی وصایا سے علم وعمل میں روشنی فراہم کی گئی ہے، توحید واتحاد کے عنوان سے حقیقت دین کے تقاضے سمجھائے گئے ہیں، مسائل میں آزادی سے بچنے کے لیے حقائق اور تحقیق ونظر کے عنوان سے فقہ حنفی کے مراجع اور ان کی خصوصیات پر سیر حاصل کلام کیا گیا ہے، گوشۂ خواتین کے عنوان سے اسلام میں پردہ کی اہمیت کو اجاگر کر کے خواتین کو گھر کی چہار دیواری میں اپنے اصل فرائض کی طرف رہنمائی کر کے مرد کو مرد کامل بننے کی راہیں کھولی گئی ہیں، اس کے فوراً بعد اصلاح معاشرہ کا عنوان لائے ہیں تاکہ وہ مرد کامل امت کے اجتماعی فکر میں شامل ہوکر اصلاح معاشرہ میں گرانقدر خدمات انجام دے سکے، درس ادب کے عنوان سے بزرگوں اور اکابر سے دعا حاصل کرنے کا گر بتایا گیا ہے، کیونکہ علم ہوتا ہے بزرگوں کی دعا سے پیدا۔

تعلیم قرآنی کے عنوان سے لائحہ عمل متعین کیا گیا ہے، تاکہ آدمی جماعت کے جلو میں تحریک کی صورت اختیار کرجائے لیکن پھر اس جماعت کی مثال کے لیے تحریکات کے عنوان سے دارالعلوم دیوبند کو ایک مثالی ادارہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے، اب یہ جماعت آگے بڑھے گی تو طاغوت اور ازلی دشمن شیطان سد راہ بننے کی کوشش کریں گے، تو شیطان کی کمر توڑنے کے لیے استغفار کی ضرورت ہوتی ہے، سو اصلاحیات کے عنوان سے استغفار کی فضیلت نہایت مدلل انداز میں مبرہن کی گئی ہے اور آخر میں گرد وپیش کی خبر رکھنے کے لیے حالات حاضرہ کے عنوان سے عالمی خبروں سے روشناس کرایا ہے، مضامین کا ایسا ارتباط ہے کہ اس کو مستقل پڑھنے والا قاری اپنے اندر ایک انقلابی تبدیلی محسوس کرے گا، اور یہی ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے ہدف اور نصب العین کا طرۂ امتیاز ہے، اس کا ماہانہ چندہ ۱۰ر روپئے اور سالانہ چندہ صرف ۱۰۰ر روپئے ہیں۔

(حقانی تبصرے ماہنامہ القاسم شمارہ جنوری فروری ۲۰۰۷ء)

کاردعوت

حسن اخلاق ایک قیمتی جوہر ہے

حمیداللہ قاسمی کبیر نگری مرکز احیاء الفکر الاسلامی

حسن اخلاق ایک ایسا قیمتی جوہر ہے کہ جس شخص کے اندر یہ جوہر پایا جاتا ہے تو سمجھ لیجئے کہ وہ شخص کامل انسان ہے، اخلاق ایک ایسی دوا ہے جو دل ودماغ دونوں کو فائدہ پہنچاتی ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علم اور عبادت کی زینت اخلاق کو قرار دیا ہے، اور یہ فرمایا کہ قیامت کے دن مومن کے میزان عمل میں کوئی چیز حسن اخلاق سے زیادہ باوزن نہیں ہوگی، حسن اخلاق کا حامل شخص اپنے حسن خلق کے ذریعہ ہمیشہ روزہ رکھنے اور عبادت کرنے والے کا درجہ حاصل کر لیتا ہے، اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتے ہیں کہ ’’سب سے پیارا بندہ وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں اور مجھے سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور قیامت کے روز مجھ سے دور وہ شخص ہوگا جو بداخلاق ہوگا‘‘۔

ترمذی شریف میں ایک جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ’’اکمل المومنین ایماناً احسنهم خلقاً ‘‘تم میں کامل مومن وہ شخص ہے جو تم میں اخلاق کے اعتبار سے سب سے اچھا ہو۔

اسلام میں اخلاق کو جو اہمیت حاصل ہے اس سے صرف نظر کرنا کسی بھی صورت میں صحیح نہیں ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جو دعا مانگتے تھے اس کا ایک حصہ یہ بھی ہوتا تھا کہ ’’اے میرے خدا تو میری بہتر سے بہتر اخلاق کی طرف رہنمائی فرما، تیرے سوا کوئی بہتر راہ نہیں دکھا سکتا اور برے اخلاق کو مجھ سے پھیر دے اور اس کو تیرے سوا کوئی نہیں پھیر سکتا‘‘ چنانچہ اخلاق کے حصول کے لیے مجاہدہ وریاضت کی ضرورت پیش آتی ہے؛ کیونکہ یہ ایسی دولت ہے جو غیرت ومروت، حیا وتواضع، حلم وایثار، فراخ دلی اور بلند نگاہی جیسی صفت والے انسان ہی کو حاصل ہوتی ہے، برخلاف تعصب پرستی، تنگ نظری، حرص جاہ ومال والے انسان سے حسن خلق کوسوں دور ہوتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ انسان کے اندر اخلاق رذیلہ والی صفت نہ ہونے پائے، تب جاکر حسن اخلاق سے مزین ہوسکتا ہے، حسن اخلاق کے ذریعہ ایک عام انسان بھی نیکیوں کی ان بلندیوں تک آسانی سے پہنچ جاتا ہے جہاں تک پہنچنے کے لیے ایک عابد وزاہد وداعی کو بھی بڑے بڑے مجاہدات کرنے پڑتے ہیں؛ لیکن ادنی سے ادنی انسان کے اندر اگر اخلاق پایا جاتا ہے، تو یقیناً اس کا حسن اخلاق ایک نہ ایک دن ضرور رنگ لاتا ہے کیونکہ اخلاق ایک ایسا جوہر اور ہیرا ہے جو کسی بھی وقت اپنی چمک سے دوسروں کے سیاہ دل کو چمکا سکتا ہے۔

حال ہی کا واقعہ ہے کہ زید (فرضی نام) نے عمر سے رام گلی کا پتہ (Address) پوچھا تو عمر نے کہا کہ یہاں تو کئی رام گلیاں ہیں، تمہیں کہاں جانا ہے؟ کچھ دیر پس وپیش کے بعد زید نے بتایا کہ مجھے احمدی مرکز جانا ہے (زید قادیانی خیال کا تھا) عمر نے زید کو پتہ بتایا اور اس کا سامان خود اٹھا کر اپنے سر پر رکھا اور اس کے ساتھ چل پڑا۔

زید نے منع کیا تو عمر نے کہا کہ یہ تو میرے رسول کی سنت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بوڑھی عورت کا سامان اٹھا کر اس کے گھر تک پہنچایا تھا، آج مجھے بھی اس سنت پر عمل کرنے کا موقع مل رہا ہے، چلتے چلتے عمر نے زید سے پوچھا کہ تم پتہ پوچھنے میں کیوں جھجک رہے تھے؟ زید نے کہا کہ لوگ ہمیں بری نظر سے دیکھتے ہیں، اس لیے ہمیں جھوٹ بولنا پڑتا ہے، تو عمر نے کہا کہ اگر تمہارا عقیدہ سچا ہے تو پھر جھوٹ کیوں بولتے ہو؟ پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ رہو، پھر عمر نے پوچھا کہ تم احمدی کب سے ہوئے؟ زید نے کہا کہ میں تو پیدائشی

احمدی ہوں، پھر عمر نے کہا کہ مرزا غلام احمد بھی پیدائشی قادیانی نہیں تھا، بھلا تم کیسے ہوگئے؟ اپنے مذہب کو سوچ سمجھ کر قبول کرو، چنانچہ عمر نے مزید اور سوالات زید کے سامنے رکھ دیئے۔

اتنی دیر میں احمدی مرکز آ گیا تو عمر نے زید کا سامان سر سے اتارا اور زید سے کہا کہ وہ سامنے مرکز ہے، خیر واپسی پر زید عمر سے بڑے محبت بھرے انداز میں ملا اور کہا کہ آپ جس محبت سے میرے ساتھ پیش آئے ہیں اور جس طرح آپ نے میری رہنمائی کی ہے، اس طرح کسی مسلمان نے آج تک نہیں کیا، چنانچہ زید عمر سے کافی متأثر ہوا۔

چند روز بعد زید عمر کے گھر آیا اور اس نے بتایا کہ میں نے جب اپنے بزرگوں سے قادیانیت کے بارے میں اطمینان کرنا چاہا تو وہ مجھے مطمئن نہ کر سکے، لہٰذا میں نے توبہ کرنے اور مسلمان ہونے کا فیصلہ کیا ہے، یہ سننا تھا کہ عمر کے دل میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور اسے محلّہ کی مسجد کے امام صاحب کے پاس لے گیا، جہاں اس نے کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔

اخلاق اسی کا نام ہے کہ آدمی ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح پیش آئے، جیسا کہ مذکورہ بالا واقعہ میں ہے کہ ایک عام انسان دوسرے کے دل میں کس طرح اپنی جگہ بنالیتا ہے، اس سے واضح طور پر یہ پتہ چلتا ہے کہ حسن اخلاق ہی کے ذریعہ پتھر دل بھی موم ہو جاتے ہیں، اخلاق ہی کی بدولت ایک دوسرے کے دلوں کو جیت لیا جاتا ہے، اور حسن اخلاق کی وجہ سے دلوں میں خوش بختی و سعادتمندی پیدا ہو جاتی ہے اور ضمیر راضی ہو جاتا ہے، اس لیے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اعلی اخلاق کے پرتو کامل تھے، چنانچہ غیر مسلموں پر سب سے زیادہ اثر ڈالنے والی چیز حسن اخلاق ہی ہے، ماضی میں بھی اسی کے بدولت لوگوں کے دلوں میں اسلام کی محبت پیدا ہوئی تھی۔

کچھ دنوں پہلے ہمارے مرکز کے روح رواں جناب مولانا محمد مسعود عزیزی ندوی نے تمام اساتذہ کو جمع کر کے نصیحت کرتے ہوئے یہ فرمارہے تھے کہ اخلاق اپناؤ اور اخلاق سے اچھی کوئی چیز نہیں ہے اور ایک دوسرے کی عزت نفس کا خیال کرو تو انشاء اللہ تم سے ضرور فائدہ ہوگا، اس کے بعد یہ بھی فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا کلیم صاحب صدیقی اپنے کسی دوست (مرید) کے گھر دعوت میں گئے، جب وہاں پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ ایک نوجوان لڑکا ان کے گھر جھاڑو لگا رہا ہے، تو آپ نے اپنے دوست سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو دوست نے عرض کیا، یہ دھرمندر ہمارا نوکر ہے جو گھر کا کام وغیرہ کرتا ہے، خیر مولانا نے اپنے دوست سے کہا کہ دھرمندر کو بلاؤ، جب دھرمندر کو اس کے مالک نے بلایا اور کہا کہ یہ ہمارے پیر جی آئے ہیں ان سے ملاقات کرلو، دھرمند جب مولانا کی طرف دیکھا تو مولانا نے خود آگے بڑھ کر دھرمندر کو اپنے گلے سے لگالیا اور خیر خیریت دریافت کی۔

اتنے میں کھانے کا وقت ہو گیا مولانا نے دھرمند کو بلایا اور اپنے ساتھ ان کو کھانے کو کہا اولاً دھرمندر ادب واحترام اور اپنے بھنگی ہونے کی وجہ سے قریب نہیں آ رہا تھا مگر مالک کے کہنے سے قریب آیا، چنانچہ کھانا شروع کیا گیا تو مولانا کبھی اپنے پیالے میں سے ایک لقمہ کھاتے اور کبھی دھرمندر کے اور اس سے بھی یہی کہتے کہ تم بھی میرے پیالے میں سے کھاؤ خیر اس نے بمشکل ہی کھانا کھایا مگر اس کا دل اسلام کے نور سے منور ہو گیا، شام کو دھرمندر جب اپنے گھر گیا تو اپنی والدہ سے یہ سارا ماجرہ سنایا اور کہا کہ اماں میں مسلمان ہو جاؤں؟ اس کی ماں نے کہا کہ ٹھیک ہے بیٹا میں بھی تمہارے ساتھ مسلمان ہو کر رہوں گی، اس اخلاق کے برتاؤ سے دھرمندر بھنگی جہنم سے بچا اور مسلمان ہوا اور اپنے سید مالک کی سیدزادی سے شادی ہوئی اور حج وعمرہ کی سعادت سے سرفراز ہوا، دین و دنیا دونوں مل گئی۔

لیکن افسوس ہے ہماری عقلوں پر کہ آج ہم اخلاق جیسے قیمتی جوہر کو سمجھتے ہی نہیں، جس کی وجہ سے آپسی اختلاف وانتشار میں پڑے ہوئے ہیں، بھائی بھائی میں الفت ومحبت باقی نہیں رہی، یہ کمی صرف اخلاق کی ہے، اگر ہمارے اخلاق درست ہو جائیں تو یقیناً سارا معاملہ حل ہو جائے گا اور ہماری ذات سے دوسروں کو ضرور فائدہ پہنچے گا، اس لیے ضروری ہے کہ ہم حسن اخلاق کو اپنائے اور عام وخاص سب سے حسن اخلاق کے ساتھ پیش آئیں، اللہ تعالی سب کو اخلاق حسنہ کی دولت سے مالا مال کرے۔

ایمان کی بادِ بہاری

ایک ڈنمارکی خاتون ''کامیلا'' کا قبول اسلام

مولانا محمد نظام الدین ندوی استاذ مرکز احیاء الفکر الاسلامی

حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس بڑے ظلم کے باوجود جس کی قیادت ڈنمارک کے اخبار ''یولاند بوستن'' اور وہاں کے سیاسی رجحان نے کی، کہ اسلام کا نور اپنی کرنوں کو زمین کے ہر خطے میں پھیلا رہا ہے اور ڈنمارک میں نبی پاک صلی للہ علیہ وسلم پر یہ ظلم بہت سے ڈنمارک کے لوگوں کو اسلام اور اس کی تہذیب سے متعارف ہونے کا ذریعہ بن گیا اور ان لوگوں نے اسلام کو اس کی حقیقت اور اس کے مبادی اور اس کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمت للعالمین بنا کر بھیجے گئے) کی حقیقت سے واقف ہونے کے بعد اختیار کیا ہے اور ''کامیلہ'' ڈنمارک کی ایک ٹیچر تھی جو ۱۹۷۳ء میں پیدا ہوئی اور یہ ان دوشیزاؤں میں سے ہے جنھوں نے اسی طریقے سے اسلام قبول کیا، چنانچہ وہ اسلام قبول کرنے کے سلسلے میں اپنے تجربات بیان کرتی ہے کہ میری زندگی فسق وفجور اور گناہ ومعصیت سے پر تھی، جب میری عمر ۱۷ سال کی تھی اس وقت میں نے اپنے والدین کے گھر کو چھوڑ دیا تھا، میں ہمیشہ ڈانسنگ ہال کا چکر لگایا کرتی تھی اور متعدد نوجوانوں سے میرے تعلقات تھے اور اس پر شور اور ہنگامہ خیز زندگی میں میں نے خود بخود اسلام کے متعلق پڑھنا شروع کر دیا اور اسلام کے متعلق ہر چیز کو بہت شوق سے پڑھنے لگی۔

اسی طرح دن کے گذرنے کے ساتھ ساتھ میں نے اسلام میں سب کچھ پایا جس نے مجھے ہر سوال کا تشفی بخش جواب دیا اور تمام بنی نوع انسان کے درمیان اسلام کی مساوات ورواداری اور اخوت و بھائی چارہ کے مفہوم کی وسعت وبلندی اور عدل وانصاف کے قیام سے میں حیرت میں پڑ گئی۔

مجھے یہ انکشاف ہوا کہ یہ کتنا عظیم ہے کہ انسان اس کائنات کے خالق کے وجود پر یقین رکھتا ہے اور بہت افسوس ہے کہ میرے والدین ملحد ہیں، اگر وہ دونوں مسلمان ہوتے تو سعادت وخوش بختی اور دلی سکون واطمینان سے واقف ہو جاتے، جس سعادت اور ذہنی سکون کے ساتھ اب میں زندگی گذار رہی ہوں۔

یہ میرے لئے سعادت کی بات تھی کہ جب میں نے اسلام قبول کیا، ایک داخلی مسرت کے عجیب احساس نے مجھے ڈھانپ لیا، جس کو میں نے اپنی زندگی میں اس سے پہلے محسوس نہیں کیا تھا اور جب میں اپنے خاندانی گھر واپس ہوئی تو میں اپنے والدین کے ردعمل سے خائف تھی اور میں نے اپنے والد سے اپنے اسلام کو چھپایا، حالانکہ میں پردہ شروع کرنے والی تھی اور معاملہ کسی حد تک قابل قبول ہو چکا تھا۔

میرے دوستوں کو بہت صدمہ ہوا اور اس صدمہ کو کم کرنے کے لیے میں اپنے نئے عقیدے کے قائل کرانے کے لیے مرحلہ وار سلسلہ شروع کیا، میں نے پردہ کرنا شروع کیا پھر نماز وغیرہ اپنی اسلامی عبادات کی ادائیگی شروع کی۔

میری نیک بختی دن بدن بڑھتی گئی جب جب میں نے اسلام اور اس کے فرائض کا التزام کیا اور میرے دوست واحباب میری اس سعادتمندی کو دیکھ کر خوش ہو رہے تھے، جو جلد ہی ان پر منکشف ہوگئی کہ اس کا سرچشمہ اسلام ہے۔

مزید ''کامیلا'' کہتی ہے کہ میرے والدین میرے حسن تصرفات سے گہرے طور پر واقف ہوئے تو میں ان کی اطاعت کرنے لگی اور ان

کی ہر ضروریات میں ان کا ہاتھ بٹانے لگی بلکہ میں ان کی مادی طور پر بھی مدد کرتی تھی اور ان کے لیے کھانا بھی بناتی تھی، حالانکہ اسلام قبول کرنے سے پہلے اس طرح کے کام نہیں کیا کرتی تھی، میرے ماں باپ میری اس سعادتمندی سے خوش ہوگئے، جیسا کہ میرے دوست واحباب بھی میری زندگی میں سکون واطمینان کو دیکھ کر حیران تھے۔

آگے وہ کہتی ہے میں تصور نہیں کرتی کہ آپ کا ڈنمارک میں مسلمان ہونا مشکل ہے، میں ڈنمارکی مسلمان ہوں اور میں اسلام کے تمام فرائض ادا کرتی ہوں، میں اپنے سر پر حجاب ڈالتی ہوں اور کام بھی کرتی ہوں، لیکن میری نظر میں مشکل یہ ہے کہ مسلمان عورتیں پردہ نہیں کرتی ہیں، یہ بات صحیح ہے کہ جب بعض لوگ مجھے اسلامی لباس میں ملبوس دیکھتے ہیں تو تعجب کرتے ہیں اور اجنبیت کا احساس کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس کی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں جب تک میں اپنے اسلام پر قائم ہوں، چنانچہ اپنے اسلام سے قبل میں بھی ایسے ہی حیرت میں پڑتی تھی بلکہ میں تو عام طور پر اسلام اور مسلمانوں کو تعجب کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔

میں ایسے خاندان کے سایہ میں زندگی گذاری جو اللہ تعالی پر ایمان نہیں رکھتا تھا اور میں اور میرے والدین برباد تھے، مگر آج اور اسلام قبول کرنے کے بعد میرے دن اچھے بہترین قابل رشک اور اسلام کی عظیم حلاوت وشیرینی کے ساتھ گذر رہے ہیں۔

اپنے پہلے حاملہ ہونے کے درمیان میں نے اللہ تعالی کی قربت کی لذت کے ساتھ زندگی گذاری جب کہ پیٹ میں بچہ ایک شدید خطرہ سے دوچار تھا اور ڈاکٹر میری نگرانی کررہے تھے، انہوں نے مجھے تاکید کی کہ حمل غیر فطری ہے اور یہ بسا اوقات انتہائی خطرناک ہوسکتا ہے؛ لیکن جب میں نے اپنے بچہ کو فطری طور پر جنم دیا تو ڈاکٹروں نے کہا یہ تو معجزہ ہے، میں نے ان سے کہا کہ میں اس ذات عالی ''اللہ جل جلالہ'' کی طرف متوجہ ہوتی ہوں جو زندگی عطا کرتا ہے اور ساری تعریفیں اسی اللہ کے لئے ہیں جس نے میری اور میرے بچہ کی دستگیری کی۔

میں روزانہ نماز فجر کے بعد قرآن کریم کی تلاوت کی عادی بن چکی تھی، میرے ذہن ودماغ میں اسلام کے متعلق جو سوالات اور اشکالات تھے سب ختم ہوگئے اور اس کے مطالعہ کے بعد اس کی صحیح تصویر میرے ذہن میں بیٹھ گئی، میں شادی سے ڈرتی تھی؛ کیونکہ میں سنا کرتی تھی کہ مرد اسلام میں عورت کے ساتھ غیروں جیسا سلوک کرتا ہے الحمدللہ یہ بھی تصور ختم ہوگیا۔

مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہورہا ہے کہ اکثر یورپین لوگ مسلمان عورتوں کو حیرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور انہیں مجنوں سمجھتے ہیں، اس لیے کہ وہ لوگ بچوں کی دیکھ ریکھ اور ان کی تعلیم وتربیت کے لیے ان کے گھر میں رہنے کو فضول اور بے کار سمجھتے ہیں، بس وہ عورتوں کو مردوں کی طرح دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ وہ بھی برابر اور شانہ بشانہ رہیں، مغربی ممالک میں عورت کو مرد کے درجہ میں رکھنے کی وجہ سے خاندانی نظام تنزل کا شکار ہے اور اس نے خاندانی انتشار وافتراق کے بہت ہی ہیبت ناک حالات پیدا کردئے ہیں جب کہ اسلام میں عورت محفوظ اور محترم ہے اور اس کے حقوق بھی محفوظ ہیں۔

﴿بقیہ صفحہ ۳۰/ کا﴾ جس نے اپنی لاثانی کتاب قرآن مجید میں فرمایا ہے

''یَا أَیُّهَا النَّاسُ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنَاکُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ مُخَلَّقَةٍ وَغَیْرِ مُخَلَّقَةٍ لِنُبَیِّنَ لَکُمْ وَنُقِرُّفِیْ الْاَرْحَامِ مَانَشَاءُ اِلیٰ أَجَلٍ مُسَمًّی ثُمَّ نُخْرِجُکُمْ طِفْلاً لِتَبْلُغُوْا أَشُدَّکُمْ ''(الحج ۵)

اے ایمان والو! اگر تم کو دوبارہ زندہ کیے جانے کے بارے میں شک ہے تو جان لو کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر جمے ہوئے خون سے، پھر تخلیق شدہ اور غیر تخلیق شدہ گوشت کی بوٹی سے، تاکہ ہم تم کو وضاحت کے ساتھ بتائیں اور ہم رحم میں جو چاہتے ہیں ایک مقررہ مدت تک کے لئے رکھتے ہیں، پھر ہم تم کو بچہ بنا کر باہر نکال دیتے ہیں، تاکہ پھر تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ۔

اسی بنیاد پر ہمارے افکار، عقلیں اور جسم دین اور توحید خالص کے جھنڈے تلے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر عمل کرنا شروع کرتے ہیں اور اس سے ہماری توجہ انسانی زندگی کے سب سے اہم مرحلہ یعنی جوانی کی عمر سے واقفیت حاصل کرنے کی طرف مبذول ہوجاتی ہے، جوانی کی حفاظت کرنا اور اس کو اچھے کاموں میں استعمال کرنا ضروری ہے۔

حقائق

دامن پہ کوئی چھینٹ نہ خنجر پہ کوئی داغ

مولانا خورشید عالم داؤد قاسمی دارالعلوم مرکز اسلامی، انکلیشور، گجرات

گجرات جواپنی شاندار روایات، افراط زراور معاشی طور پر ہندوستان کا ایک مضبوط صوبہ ہونے کی وجہ سے قابل صد رشک ہے، آج اس صوبہ میں مسلمان ہونے کا مطلب اپنی زندگی مودی اینڈ کمپنی کے حوالے کردینا یاپھر مودی اور اسکے حوارین کو یہ احساس دلاتے رہنا ہے کہ ہم آپ کے وفادار غلام ہیں، آپ کا ہر حکم سر آنکھوں پر، اگر گجرات میں مسلمان اس رحم وکرم سے بے نیاز ہوکر ایک خوش حال وخوددار زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو جان ہتھیلی پر رکھ کر جینا ہوگا، معلوم نہیں کب اور کس ناکردہ جرم میں اسے گولی مارکر عشرت جہاں، جاوید شیخ، سمیر خاں پٹھان، صادق جمال، سہراب الدین، کوثر بی اور نہ جانے کتنے ان گنت بے گناہ مقتولوں کی طرح بے رحمانہ قتل کا شکار بنایا جاسکتا ہے۔

۲۲رفروری ۲۰۰۲ء کو گودھرا سانحہ کے بعد ''احمدآباد'' اور ''بروڈہ'' میں خاص طور پر اور پورے گجرات میں عام طور پر صوبائی حکومت کی سربراہی میں آر ایس ایس، بجرنگ دل، سنگھ پریوار اور وشو ہندو پریشد کے کارکنان نے جو انسانیت سوز اور شرمناک کھیل شروع کیا وہ مسلسل یکے بعد دیگرے کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی شکل میں جاری ہے، کبھی پولیس کے ذریعے، کبھی مدارس ومزار کے نام پر یا پھر لشکر طیبہ اور جیش محمد کے دہشت گردوں کے ساتھ انکاؤنٹر کے عنوان سے، ایسے ڈرامے مسلسل اسٹیج کیے جاتے ہیں اور مسلمانوں کا خون پانی سے بھی سستا سمجھ کر بہایا جاتا ہے، ایسے حادثات کے بعد ملک کے سابق صدر کے آر نارائن اور امن پسند انسانوں کا سر شرم سے تو ضرور جھک گیا، لیکن بی جے پی اور اس کے بڑبولے میاں مودی اسے دیس بھگتی اور حب الوطنی سے تعبیر کرکے ان گناہوں کے مرتکبین کو سزا دینے اور ان کو انجام تک پہنچانے کے بجائے ان کی حوصلہ افزائی اور عنایت ونوازش کرتے رہے ہیں، آج جب اس حب الوطنی اور دیش بھگتی کا پردہ فاش ہوا اور رپورٹ میں اسے ملک کے ایک فرقہ کے خلاف سوچی سمجھی سازش بتائی گئی تو سب کے سانپ سونگھ گیا اور خاموشی میں ہی اپنی نجات سمجھنے لگے ہیں۔

یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ گودھرا کے بعد جو کچھ ہوا تھا اسے چھوٹے میاں تو چھوٹے میاں ملک کے وزیر داخلہ اور نائب وزیر اعظم مسٹر اڈوانی نے بھی عمل کا رد عمل (Reaction for Action) قرار دے کر صوبائی سرکار کی تعریف وتوصیف کے پل باندھتے رہے، ساتھ ہی یہ منوانے کی بیجا کوشش بھی کرتے رہے کہ گجرات کے عوام سرکار سے بہت خوش ہیں، جب کہ ۲۰۰۲/۲/۲۶ء کے گودھرا میں ''سابرمتی اکسپریس'' سانحہ کے بعد ظلم وبربریت کا ایسا ننگا ناچ ناچا گیا کہ بغیر کسی امتیاز اور رحم وکرم کے بوڑھے، بچے، جوان اور مرد وعورت، سب کو ایک ہی صف میں کھڑا کرکے قتل وغارت گری کی گئی، لوگوں کو زندہ جلادیا گیا عصمت دری اور آبروریزی کی بھی ذلیل حرکت کی گئی، ظلم وجور اور حیوانیت وبربریت کی انتہا کردی گئی، بلوائیوں نے حاملہ عورت کا پیٹ چاک کرکے، بچہ نکال کر اسے نیزہ پر لٹکایا اور نہ جانے کون کون سی ذلیل وبدبخت حرکت کی گئی، ایسی صورت حال کے باوجود کیا عوام حکمراں سے خوش ہوسکتے ہیں؟ یہ ایک سوالیہ نشان ہے، جس کا جواب ہر کس وناکس کے پاس ہے، ان دل دہلا دینے والے حادثے کے پس منظر میں دنیا کے بصیرت افروز اور انسانیت نواز لوگوں نے جب پرزور لفظوں میں مذمت کی تو بڑی سوچی سمجھی سازش کے تحت دہشت گردی کے بہانے ''جعلی انکاؤنٹر'' کو مسلم نسل کشی کا ایک عمدہ اور آسان

ذریعہ سمجھ کر استعمال کیا جانے لگا، جس کو نریندر مودی کے چہیتے پولیس افسر ڈی جی ونجارا نے اپنی سربراہی میں ''دیش بھگتی'' کے نام پر ایک طویل مدت تک انجام دیا۔

گجرات میں عام نسل کشی کے بعد جو انکاؤنٹر کا سلسلہ شروع ہوا اس کی تعداد تقریباً اکیس اور بعض اخباری بیان کے مطابق ۲۳ رہے، جن میں مسلم نوجوانوں کو دہشت گرد ثابت کر کے ان کے جسم میں بندوق کی گولی اتاری گئی اوران مڈبھیڑوں کے بعد مزید جعل سازی یہ کی گئی ہے کہ یہ لوگ گجرات کے وزیر اعلی جناب نریندر مودی کو قتل کرنے کے مشن پر تھے اور بوقت گرفتاری انہوں نے پولیس عملہ کے ساتھ مڈبھیڑ شروع کی پھر پولیس کی دفاعی گولی کے شکار بنے، چنانچہ اس بہانے سے لڑکا تو لڑکا، صنف نازک کو بھی لشکر طیبہ کا دہشت گرد ثابت کرنے میں قاتلوں نے کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کیا، اورانہیں اپنی درندگی کا نشانہ بنایا، عشرت جہاں جو ممبئی کے ایک کالج میں سائنس کی طالبہ تھی، اسے ۱۵ر جون ۲۰۰۴ء کو دوسرے تین افراد کے ساتھ قتل کر دیا گیا، اس وقت ڈی جی ونجارا جو آج کل سہراب الدین کے فرضی انکاؤنٹر میں مجرم کی حیثیت سے جیل میں ہے، اس وقت گجرات کے کرائم برانچ کے سینئر افسر تھے، اب کوثر بی معاملہ کی تحقیق اور مجرم کی گرفتاری کے بعد وقت قریب آ چکا ہے، کہ ہر شخص دودھ کو دودھ اور پانی کو پانی کی شکل میں دیکھیں گے، یعنی عشرت جہاں کی والدہ شمیمہ نے بھی بیٹی کے قاتلوں کے خلاف ہائی کورٹ کا دروزہ کھٹکھٹانا طے کر لیا ہے، جب کہ بہت سے لوگ اس کی مدد کے لئے تیار ہیں۔

اسی طرح ''بڑودہ'' کا رہنے والا سمیر خان پٹھان بھی ۲۲ر اکتوبر ۲۰۰۲ء کو ایک پولیس مڈبھیڑ میں مارا گیا اوراس پر یہی الزام تھا کہ یہ شخص گجرات کے دودھ کے دھولے وزیر اعلی نریندمودی کی تقل کی سازش کر رہا تھا، رباب الدین کی کامیابی دیکھ کر سمیر کے والدین نے بھی دعوی کیا ہے کہ ان کے بیٹا کو دہشت گردی کے غلط الزام میں پھنسا کر موت کے گھاٹ اتار اگیا تھا، لہٰذا اس کے ضعیف العمر والد سرفراز خان نے بھی ارادہ کیا ہے کہ وہ اپنے بیٹا کے بے رحمانہ قتل پر سپریم کورٹ کا سہارا لیں گے۔

۱۳ر جنوری ۲۰۰۳ء کو موت کے گھاٹ اتارے گئے صادق جمال کے بھائی شبیر جمال نے بھی اب اپنے بھائی کی موت کو فرضی مڈبھیڑ کا نتیجہ بتائے ہوئے، گجرات ہائی کورٹ میں یہ عرضی پیش کی ہے کہ اس کا بھائی جعلی انکاؤنٹر میں مار دیا گیا ہے، لہٰذا اس معاملہ کی بھی سی بی آئی جانچ کرائی جائے۔

صادق جمال کو بھی ونجارا کی ہی ٹیم نے مذکورہ تاریخ میں بڑی بے رحمی سے دائمی نیند سلایا تھا، ڈی آئی ونجارا کے مطابق صادق جمال کو اس جرم کے پاداش قتل کیا گیا تھا کہ وہ بھی اورلوگوں کی طرح ہی وزیر اعلی نریندمودی کو قتل کرنے چلا تھا۔

ان تمام مذکورہ حادثات سے بڑھ کر ۲۶ر نومبر ۲۰۰۵ء کو انکاؤنٹر اسپیشلسٹ ڈی جی ونجارا نے سہراب الدین کو بھی لشکر طیبہ کا دہشت گرد بتا کر اپنی پوری بے رحمی کا ثبوت دیتے ہوئے بندوق کی گولی بلا کسی تردد کے اس کے جسم میں جانے دیا تھا، پھراس کی اہلیہ جو اس کے ساتھ تھی اسے اس سے جدا کر کے'' گاندھی نگر'' میں ونجارا کے ہی ایک فارم ہاؤس میں لایا گیا، جہاں اس کے ساتھ زنا بالجبر کر کے ۲۸ر نومبر کو قتل کر دیا گیا، پھراس کے بعد لاش ایک ہندو عورت کی لاش کے روپ میں ونجارا کے آبائی وطن'' ایلول'' جو'' سابر کنٹھا'' ضلع میں واقع ہے لایا گیا، اس کی لاش کو ٹھکانے لگانے کے لیے بھاگوتی ٹمبر مارٹ سے ایک کثیر مقدار میں ۴۰۰ر کلو لکڑی خریدی گئی اور'' ایلول'' سے دو کلومیٹر کی دوری پر مودی کے نور چشم ونجارا کی موجودگی میں نذر آتش کیا گیا، مسلمانوں کو اپنی بندوق کی گولی کی نوک سے ہراساں اور خوف زدہ کرنے والے ونجارا، اس جلی ہوئی عورت کی راکھ سے اس قدر خائف ہوا کہ اسے ایک مقام پر نہیں رہنے دیا، بلکہ قرب وجوار کے چند کنوؤں اور میدانوں میں منتشر کروا دیا، یہاں بھی رپورٹ ملی ہے کہ کوثر بی کی لاش کو قتل کے بعد ایک کنواں میں ڈال دیا گیا تھا اور جب اس سے تعفن عام ہوا تو اس

کے نوکر نے کہا کہ اس کنواں میں سور گر کر مر گیا ہے، جس کی بد بو پھیل رہی ہے، پھر نہایت ہی چابک دستی سے کنواں ختم کر کے اس پر تعمیر کھڑی کر دی گئی۔

اس سانحہ کے بعد مقتول کا بھائی اور مقتولہ کا دیور، رباب الدین شیخ نے ہمت سے کام لیتے ہوئے ۲۰۰۶ء میں کیس داخل کیا کہ سہراب الدین شیخ کوئی دہشت گرد نہیں تھا، بلکہ اسے فرضی انکاؤنٹر میں قتل کیا گیا ہے اور اس کی اہلیہ کوثر بی بھی اسی دن سے لاپتہ ہے، شروع پولیس افسران نے ایک اعلی پولیس افسر کی شفارش کے باوجود کہ اس حادثہ کی سی آئی ڈی کے ذریعے جانچ کرائی جائے، لیپا پوتی کرنے کے لیے نظر انداز کر دیا؛ لیکن آج وہ دن آ گیا کہ سی آئی ڈی انسپکٹر محترمہ گیتا جوہری کی قابل تعریف پیش رفت کے نتیجہ میں، ظالم و جابر کے اقبالیہ بیان اور عدالت عالیہ کے منصفانہ فیصلہ سے رباب الدین کا خواب شرمندہ تعبیر ہوسکا کہ بے جا انسانیت کا خون بہانے والا ڈی جی ونجارا (تادم تحریر) اپنے پانچ رفیقوں، راج کمار (سپرنٹنڈنٹ، انٹلی جنس بیورو، ونیش کمار (راجستھان پولیس، این ایچ ڈی بھی (گجرات پولیس انسپکٹر) اجے پرمار (پولیس کونسٹیبل) اور سنترام شرما (ہیڈ کونسٹیبل) کے ساتھ سلاخ کے پیچھے ہے، یہ قتل کی واردات کو انجام دیتے اور سینہ تان کر چلتے رہے یہاں تک اس کے حوالے سے یہ سچ ثابت ہو رہا تھا کہ:

دامن پہ کوئی چھینٹ نہ خنجر پہ کوئی داغ
تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو

ڈی جی ونجارا کے حوالے سے یہ بتا دینا بھی فائدے سے خالی نہیں کہ اس کا تعلق ''ایلول'' کے ایک مفلوک الحال خاندان سے تھا، حصول تعلیم کے وقت اس کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے، کہ قلم، کاپی اور کتاب اپنے پیسے سے خریدتا، چنانچہ اس کے گاؤں کے لوگ بغیر تفریق ذات و پات ہندو مسلم نے اس کی مالی مدد کی، اس طریقے سے یہ پڑھ لکھ کر پولیس محکمہ میں ایک اونچے پوسٹ تک پہنچا، لیکن یہاں پہنچ کر اس نے گاؤں والوں کو فراموش کر دیا، پھر بھی گاؤں والے اس کے ایک اعلی عہدہ کے حامل ہونے پر فخر محسوس کیا اور عزت دی، لیکن اس ایلول کے کپوت نے ایک مخصوص فرقہ کے نوجوانوں کے خلاف اپنے کالے کارنامے کی وجہ سے پورے گاؤں والے کا ہی سر نیچا نہیں کیا بلکہ عالمی پیمانے پر پورے ہندوستان کو بدنام کیا۔

اس مقام پر یہ بات قابل غور ہے کہ بارہاں گجرات نے دیدہ دلریری کے ساتھ اس طرح کی کارروائی کا ارتکاب کیا اور ان کی پیشانیوں پر لکیر بھی رونما نہیں ہوئی، آخر ایسا کیوں؟ اس سے یہ شبہ بجا ہے کہ حکومت وقت کے اعلی حکام و وزاء کی ان پولیس والوں کو سرپرستی حاصل تھی، اور اس شبہ کو تقویت اس بات سے ملتی ہے کہ اس جرم کے بعد کبھی بھی واقعہ کی سی آئی ڈی یا سی بی آئی کے ذریعہ جانچ کرائی گئی، نہ ہی کسی سے پوچھ گچھ ہوئی، بلکہ اسے ''دیش بھگتی'' ہی مانا گیا اور آج جو مجرم تھے سلاخ کے پیچھے ہیں، اس سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ دہشت گرد مقتولین یا قاتلین اور ان کے نگراں و سرپرست تھے اور ہیں۔

گودھرا سانحہ کے بعد جب گجرات جل رہا تھا، اور ہر کوئی اپنی زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا، اسی موقع پر یہ ضروری تھا کہ دستور ہند کی دفعہ ۳۵۶ر کی روشنی میں مرکزی واجپئی حکومت صوبائی حکمرانوں کو زمام اقتدار سے بے دخل کر دیتی اور اس کی جگہ کسی اپنے دوسرے چہیتے کو بیٹھا دیتی؛ لیکن مرکزی سرکار نے یہ کرنے کے بجائے مودی کا ہر موڑ پر دفاع کرتی نظر آئی، پھر لوگ سبھا انتخاب میں ''یو پی اے'' کی مرکز میں آمد کے بعد انسانیت نواز لوگوں نے یہ بجا توقع کر رکھی تھی کہ اب انسانیت کو شرم سار کرنے والے اور وطن عزیز کو ساری دنیا میں بدنام کرنے والے اور بے شمار لوگوں کے قاتلین کی نگرانی کرنے والے مودی کو مذکورہ بالا واقعہ کے تحت اقتدار سے بے دخل ہی نہیں کیا جائے گا، بلکہ اسے سلاخ کے پیچھے کر دیا جائے گا، مگر یہ سب ہونے سے رہا اور ''یو پی اے'' اس مسئلہ میں ''این ڈی اے'' کے قدم بہ قدم نظر آئی اور اس سے بھی بڑھ کر اس نے نریند مودی کو ہندوستان کا بہترین وزیر اعلی ہونے کا ایوارڈ دلوایا، یو پی اے نے صرف اپنے آپ کو سکون کی

نیند سونے کے لیے حق کا گلا گھونٹ کر دشمنان وطن کو خوش کیا اور ملک دوسری بڑی اکثریت کے جذبات مسلنے کے ساتھ ساتھ ان تمام لوگوں کو بھی زک پہنچایا جنھوں نے اسے مرکز کی کرسی پر ہاتھ پکڑ کر بیٹھایا تھا، شاید یہی وجہ ہے کہ ہنوز اتر پردیش میں ۲۵ر سیٹس سے ۲۲ر پر پہنچ گئی اور کسی کا کوئی جادو کام نہیں کیا۔

یہ بات بالکل درست ہے کہ اگر ملک کی ایک مخصوص قوم کے ساتھ فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا کرنے کی جگہ تعصب وعناد کا کھیل اور ڈرامہ اسٹیج کیا جاتا رہا اور مجرمین کو سزا نہ دی گئی بلکہ اس کے الٹے حمایت اور تعریف وتوصیف کے پل باندھے گئے، تو یہ عمل جہاں ملک کے اندرونی حالات دگرگوں کرسکتا ہے، وہیں یہ ملک کو مضبوط و مستحکم بھی ہونے نہیں دے گا اور ملک کے امن وامان، معاش واقتصاد اور گنگا جمنی تہذیب وثقافت ہمیشہ کے لیے کھوکھلی ہوجائے گی، کیونکہ ملک کی دوسری بڑی اکثریت جب غیر مامون اور پریشان ہوتو کامیابی کیسے حاصل کی جاسکتی ہے، اس لیے حکومت وقت کو ہر طرح کے فرقہ وارانہ فساد پر کنٹرول حاصل کر کے بغیر کسی تفریق کے سارے شہریوں کو امن وامان فراہم کرنا چاہئے اور ملک کی خوشحالی کے لیے کوشاں ہونا چاہئے تب جاکر ملک کی ترقی کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوگا۔

﴿بقیہ صفحہ ۷ر کا﴾ لیکن یہ نظریات جو مغرب سے بہہ کر مشرق میں آتے رہے ہیں اور انسانی علوم کی شکل ہمارے ادارے اور تعلیم گاہیں بڑے فخر واعزاز کے ساتھ انہیں قبول کرلیتی ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص سنگریزوں اور ریت کو ملا کر کوئی دیوار اٹھا رہا ہو، ظاہر ہے یہ دیوار کب تک کھڑی رہ سکتی ہے۔

سب سے بڑی ذمہ داری اس سلسلہ میں ہماری تعلیم گاہوں کی ہے، جنھوں نے اب تک اس حقیقت کو نہیں اپنایا کہ انہیں اپنے نصاب اور نظام تعلیم میں تبدیلی کی ضرورت ہے، فاسد اور انسانی حسن وکمال سے خالی نصاب کو چھوڑ کر ٹھوس اور صالح نصاب تیار کرنے کی ضرورت ہے۔

﴿بقیہ صفحہ ۲۷ر کا﴾ یہ عربی کتاب ۱۵۹۲ء میں زیور طبع ہوئی، اس کا ترجمہ ۱۶۰۰ء میں اطالوی زبان میں شائع کیا گیا جو ماونٹ پلیر کی یونیورسٹی میں دستیاب ہے۔

۱۶۱۹ء میں اس کا لاطینی ترجمہ روم میں شائع ہوا، اس کے علاوہ کتاب کے دو مزید عربی خلاصے: پہلا ۱۸۹۳ء میں قاہرہ میں اور دوسرا تیونس میں بیسویں صدی کے اوائل میں دریافت ہوا ہے اور اس کتاب کا فرانسیسی ترجمہ انیسویں صدی کے اوائل میں شاع ہو چکا ہے۔

جے، یچ، کریمرس کے مقالہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی ساری صلاحیت ادریسی اور دوسرے مسلم سائنسدانوں کے کارناموں کو معمولی دکھانے کے لیے اپنے غیر معقول دلائل پیش کرتے ہیں، شرطیہ جملوں کے نیچے سائنسدانوں کے کارناموں کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن اس کے باوجود انہیں کامیابی نصیب نہیں ہوئی اور انہیں مجبوراً مسلمانوں کے علیت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے، جیسا کہ وہ لکھتے ہیں ”لیکن یہ حقیقت ہے کہ بادشاہ راجر دوم نے معلوم دنیا کے حالات مرتب کرنے کا کام ایک مسلمان عالم کو تفویض کیا، صاف طور پر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کے علم کی فوقیت کس حد تک تسلیم کی جاتی تھی“۔

فلپ کی ہٹی ادریسی کی قابلیت سے متأثر ہوکر ادریسی کی تعریف کے متعلق یوں رقمطراز ہیں۔

”راجر دوم کے دربار کی سب سے بڑی زینت ادریسی تھے، جو قرون وسطی کے سب سے ممتاز جغرافیہ داں اور نقشہ کشی کرنے والے تھے“۔

نوٹ

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں۔
نیز ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی کے لیے صرف سہارنپور کی عدالت مجاز ہوگی۔ (ادارہ)

حق و باطل

علم و فضل کی معرکہ آرائی

حضرت مولانا محمد عمر مجاہد پوری

ایرانی صوبے قومس کے شہر بسطام میں ایک محلّہ موبدان تھا اس میں ایک بہت ہی عابد وزاہد اور نیک نفس بزرگ رہتے تھے، جن کا نام شیخ عیسٰی تھا، ان کی زوجہ محترمہ امید سے تھیں، ان کو یہ بات شدت سے محسوس ہوتی کہ جب بھی کوئی مشتبہ غذا لاعلمی میں کھا لیتیں تو ان کو عجیب قسم کی بے کلی اور بے چینی سے دوچار ہونا پڑتا، اور جب تک وہ غذا ان کے پیٹ سے باہر نہ آجاتی ان کی طبیعت بے قرار ہی رہتی، بعض اوقات تو ان کو حلق میں انگلی ڈالکر وہ غذا نکالنی پڑتی، بچے کی ولادت میں ابھی چند ماہ باقی تھے کہ شیخ عیسٰی اس دار فانی سے رحلت فرما گئے باپ کی وفات کے بعد پیدا ہونے والا یہ یتیم بچہ آئندہ زندگی میں روحانیت کی کن بلندیوں کو چھوئے گا اور سلطان العارفین کہلائے گا اس بات سے کوئی بھی واقف نہیں تھا، بعد میں اہل دنیا نے دیکھا کہ رہتی دنیا تک اس کا نام روشن رہے گا، یہ یتیم بچہ حضرت بایزید بسطامیؒ تھے، آپ کو بزرگان دین میں وہ مقام حاصل ہے جو فرشتوں میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حاصل ہے۔

جب آپ مکتب میں داخل ہوئے اور آپ نے سورۂ لقمان کی یہ آیت پڑھی "أن اشكرلي ولوالديك" میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا، اس وقت اپنی والدہ محترمہ سے فرمایا کہ مجھ سے دو ہستیوں کا شکر ادا نہیں ہوسکتا، لہٰذا آپ مجھے خدا سے طلب کرلیں، تاکہ میں آپ کا شکر ادا کرتا رہوں، یا پھر خدا کے سپرد کردیں، تاکہ اس کے شکر میں مشغول ہو جاؤں، والدہ محترمہ نے فرمایا کہ میں اپنے حقوق سے دستبردار ہوکر تجھے خدا کے سپرد کرتی ہوں، چنانچہ اس کے بعد آپ شام کی جانب نکل گئے اور وہیں ذکر و شغل کو جزوحیات بنالیا اور مکمل تیس سال شام کے میدانوں اور صحراؤں میں زندگی گذاری، ایک سو سترہ مشائخ سے نیاز حاصل کرکے ان کے فیوض و برکات سے سیراب ہوئے، ان ہی مشائخ میں حضرت امام جعفر صادق بھی شامل ہیں، ایک مرتبہ امام جعفر صادق کی خدمت میں تھے، انھوں نے فرمایا کہ اے بایزید! فلاں طاق میں جو کتاب رکھی ہے وہ اٹھالاؤ، آپ نے دریافت کیا وہ طاق کس جگہ ہے؟ امام جعفرؒ نے فرمایا کہ اتنے عرصہ رہنے کے بعد بھی تم نے طاق نہیں دیکھا، آپ نے عرض کیا کہ طاق تو کجا میں نے تو آپ کے روبرو کبھی سر بھی نہیں اٹھایا، امام جعفرؒ نے فرمایا اب تم مکمل ہوچکے ہو، لہٰذا بسطام واپس چلے جاؤ، آپ کے ادب کا یہ عالم تھا کہ مسجد جاتے وقت راستے میں بھی نہ تھوکتے، سفر حج میں چند قدموں کے بعد آپ نماز ادا کرتے ہوئے فرماتے کہ بیت اللہ دنیاوی بادشاہوں کا دربار نہیں، جہاں انسان ایک دم پہنچ جائے، اس طرح آپ پورے بارہ سال میں مکہ معظّمہ پہنچے؛ لیکن حج کے بعد مدینہ منورہ تشریف نہیں لے گئے اور فرمایا کہ یہ کوئی معقول بات نہیں کہ حج کے طفیل میں مدینہ منورہ جایا جائے، اس کی زیارت کے لیے پھر انشاء اللہ کسی دوسرے موقع پر حاضر ہوں گا، چنانچہ دوسرے سال مدینہ منورہ تشریف لے گئے، جب زیارت مدینہ منورہ سے فارغ ہوئے اور والدہ کی خدمت کا تصور آیا تو بسطام کے لیے روانہ ہوگئے، جب مکان کے دروازے پر پہنچے تو سنا کہ والدہ محترمہ وضو کرتے ہوئے یہ کہہ رہی تھیں کہ یا اللہ! میرے مسافر کو راحت سے رکھنا اور بزرگوں سے اس کو خوش رکھ کر اچھا بدلہ دینا، یہ سن کر پہلے تو آپ روئے پھر دروازے پر دستک دی، والدہ محترمہ نے پوچھا کہ کون! عرض کیا کہ آپ کا مسافر؟

والدہ کی دعا کی برکت:

آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جتنے بھی مراتب حاصل ہوئے ہیں سب والدہ کی اطاعت سے حاصل ہوئے، ایک مرتبہ میری والدہ نے رات کو پانی مانگا گھر میں پانی نہیں تھا، گھڑا لے کر نہر سے پانی لانے گیا، میری آمدورفت کی تاخیر کی وجہ سے والدہ کو نیند آ گئی اور میں رات بھر پانی لیے کھڑا رہا، والدہ کی بیداری کے بعد میں نے پانی پیش کیا تو انہوں نے فرمایا تم نے پانی رکھدیا ہوتا، اتنی دیر کھڑے رہنے کی کیا ضرورت تھی، میں نے عرض کیا اس لیے کھڑا رہا کہ آپ کو بیدار ہوکر پانی نہ ملنے کیوجہ سے تکلیف پہنچے، یہ سنکر انہوں نے مجھے دعائیں دیں، چنانچہ ان کی خدمت کی برکت سے مجھ کو یہ مراتب حاصل ہوئے کسی نے سوال کیا کہ آپ کے پاس عورتوں کا اجتماع کیوں رہتا ہے، اس میں کیا راز ہے، فرمایا یہ ملائکہ ہیں جن کو میں علمی مسائل سمجھا تا ہوں، پھر فرمایا کہ ایک شب فلک اول کے ملائکہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے ہم آپ کے ہمراہ عبادت کرنا چاہتے ہیں، میں نے کہا کہ میری زبان میں وہ طاقت نہیں جس سے میں ذکر الٰہی کرسکوں؛ لیکن اس کے باوجود رفتہ رفتہ ساتوں افلاک کے ملائکہ میرے پاس جمع ہوگئے اور سب نے وہی خواہش ظاہر کی جو فلک اول کے فرشتوں نے کی تھی اور میں نے سب کو پہلے جیسا ہی جواب دیا اور جب انھوں نے پوچھا کہ آپ میں ذکر الٰہی کی طاقت کب پیدا ہوگی، تو میں نے کہا کہ قیامت میں جب جزاوسزا ختم ہوجائیں گے اور میں عرش کا طواف کرتا ہوا اللہ اللہ کہہ رہا ہوں گا، آپ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالی نے مجھ سے بذریعہ الہام فرمایا کہ عبادت کرنے والے تو بہت ہیں؛ لیکن اگر تو ہماری ملاقات کا متمنی ہے تو ہماری بارگاہ میں وہ شئی شفاعت کے لیے بھیج جو ہمارے خزانے میں نہ ہو، آپ نے سوال کیا وہ کونسی شئی ہے؟ فرمایا گیا عجز وانکساری اور ذلت وغم حاصل کر؛ کیونکہ ہمارا خزانہ ان چیزوں سے خالی ہے اوران کو حاصل کرنے والے ہمارا قرب حاصل لیتے ہیں۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کوایک دن مراقبہ میں ارشاد ہوا کہ تم یہود کا لباس زیب تن کر کے دیرسمعان میں جاؤ اور یہودیوں کی عید میں شرکت کرو، حضرت بایزیدؒ اوّل تو اس سے گھبرائے؛ لیکن جب اسی قسم کا اشارہ متواتر ہوتا رہا تو آخر آپ نے یہودیوں کا لباس پہنا اور عید کے روز دیرسمعان میں تشریف لے گئے، جب تمام یہودی جمع ہوگئے اوران کے بڑے بڑے عالم مجمع میں آگئے، تو سب سے بڑا راہب تقریر کرنے کے لیے اٹھا، لیکن جب کھڑا ہوا تو وہ تقریر پر قادر نہ ہوسکا، اس کے قلب پر ایک خاص اثر ہوا جس کے باعث اس کی زبان بیکار ہوگئی، جب دیر تک خاموش کھڑا رہا تو مجمع میں شور ہوا، لوگوں نے اس سکوت کی وجہ دریافت کی، راہب نے جواب دیا، معلوم ہوتا ہے کہ آج ہمارے مجمع میں کوئی محمدی گھس آیا ہے، میں تقریر نہیں کروں گا کیونکہ وہ ہمارا ممتحن بن کر آیا ہے، یہ سن کر تمام مجمع میں غصہ اور برہمی کی لہر دوڑ گئی، لوگوں نے اس راہب سے کہا کہ ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم اس کو قتل کردیں، راہب نے کہا کہ بغیر دلیل اور بغیر برہان کے قتل نہیں کرنا چاہئے، بلکہ اتمام حجت کے طور پر اس سے گفتگو کرلو پھر دیکھا جائے گا، یہ سن کر مجمع کی نگاہیں اس نووارد کو تلاش کرنے لگیں۔

راہب نے کہا اے محمدی! میں تجھ کو تیرے نبی کا واسطہ دیتا ہوں کہ تو جس جگہ بیٹھا ہے وہیں کھڑا ہوجا اگر تو اسلام کے متعلق ہمارے شبہات دور کر کے ہمیں مطمئن کردے گا تو ہم تیری اتباع کریں گے، اور اگر تو ہمیں مطمئن نہ کرسکا تو ہم تجھ کو قتل کردیں گے، حضرت بایزید بسطامیؒ یہ سن کر کھڑے ہوگئے اور سوالات کی اجازت دیدی۔

راہب: بتاؤ وہ ایک کیا ہے جس کا دوسرا نہیں؟

بایزید: ایسا ایک جس کا دوسرا نہیں وہ اللہ تعالی کی ذات ہے۔

راہب: وہ دو کیا ہیں جن کا تیسرا نہیں؟

بایزید: یہ دونوں رات اور دن ہیں جنکا تیسرا نہیں، کما قال اللہ تعالی "وجعلنا اللیل والنھار آیتیں (سورہ بنی اسرائیل پ ۱۵/رکوع ۲) اورہم نے بنائے رات اور دن دونمونے۔

راھب: وہ تین چیزیں کیا ہیں جن کا چوتھا نہیں ہے؟

بایزید: عرش، کرسی، قلم۔

راھب: وہ چار چیزیں بتاؤ جن کا پانچواں نہیں؟

بایزید: توریت، زبور، انجیل، قرآن۔

راھب: وہ پانچ چیزیں کیا ہیں جن کا چھٹا نہیں؟

بایزید: پانچ فرض نمازیں ہیں۔

راھب: وہ چھ کیا ہیں جن کا ساتواں نہیں؟

بایزید: وہ چھ دن ہیں جس میں زمین وآسمان کی تخلیق ہوئی" کما قال اللّٰہ تعالی ولقد خلقنا السموات والارض ومابينهما فی ستة ايام"(سورہ ق پارہ ۲۶/رکوع ۱۷) اور ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہیں، ان سب کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔

راھب: ایسی سات چیزیں بتاؤ جن کا آٹھواں نہ ہو؟

بایزید: سات آسمان کما قال اللہ" خلق اللّٰہ سبع سموات طباقاً"(سورہ نوح پارہ ۲۹/ رکوع ۹) بنائے اللہ نے سات آسمان تہ بتہ۔

راھب: وہ آٹھ چیزیں کیا ہیں جن کا نواں نہیں؟

بایزید: حاملان عرش"ويحمل عرش ربك فوقهم يومئذ ثمانيه"(سورة الحاقه پ ۲۹/رکوع ۵) اور آپ کے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اٹھائے ہوں گے۔

راھب: وہ نو چیزیں کیا ہیں جن کا دسواں نہیں؟

بایزید: حضرت صالح علیہ السلام کی وہ بستیاں جن میں مفسد لوگ آباد تھے"وكان فی المدينة تسعة رهطٍ يفسدون فی الارض ولا يصلحون" (سورۃ النحل پارہ ۱۹/رکوع ۱۹) اور تھے اس شہر میں نو شخص (نو جماعتوں کے سردار) کہ خرابی کرتے ملک میں اور اصلاح نہ کرے۔

راھب: عشرہ کاملہ سے کیا مراد ہے؟

بایزید: جو شخص حج تمتع کرے اور قربانی کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اس کو دس روزے رکھنے چاہیں، ان دس ایام کے روزوں سے عشرہ کاملہ مراد ہے"فمن لم يجد فصيام ثلثة ايام فی الحج وسبعة اذا رجعتم تلك عشرة كاملہ" (سورہ بقرہ پ۲/رکوع ۸) پھر جس کو قربانی نہ ملے تو روزے رکھے تین حج کے دنوں میں اور سات روزے جب لوٹو یہ دس روزے پورے ہوئے۔

راھب: وہ گیارہ، بارہ، تیرہ چیزیں کیا ہیں جن کا خدا تعالی نے تذکرہ کیا ہے؟

بایزید: (گیارہ) حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی (بارہ) بارہ مہینے"اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَاللّٰهِ اِثْنَا عَشَرَ شَهَراً"(سورہ توبہ پارہ ۱۰/رکوع ۱۱) مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں (تیرہ) حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب میں تیرہ چیزوں کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا "اِنِّی رَأَيْتُ اَحَدَعَشَرَ كَوْكَباً وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَائَيْتُهُمْ لِیْ سَاجِدِيْنِ"(سورہ یوسف پارہ ۱۲/رکوع ۱۱) میں نے دیکھا خواب میں گیارہ ستاروں کو اور سورج کو اور چاند کو دیکھا میں نے ان کو اپنے واسطے سجدہ کرتے ہوئے۔

راھب: وہ کونسی قوم ہے جس نے جھوٹ بولا اور جنت میں گئی اور وہ کون لوگ ہیں جنھوں نے سچ بولا اور دوزخ میں گئے؟

بایزید: حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جھوٹ بولا مگر جنت میں گئے"ياآبانا انا ذهبنا نستبق وتركنا يوسف عند متاعنا فاكلهُ الذئب".(سورۃ یوسف پ ۱۲/ رکوع ۱۲)

ابا ہم سب تو دوڑنے میں لگ گئے اور یوسف کو ہم نے اپنی چیز بست کے پاس چھوڑ دیا بس (اتفاقاً) ایک بھیڑیا (آیا) اور ان کو کھا گیا۔

اور یہود ونصاری آپس میں ایک دوسرے کی تکذیب کرنے میں سچے ہیں؛ لیکن دوزخ میں جائیں گے"وقالت اليهود ليست النصاری علی شئی وقالت النصاری ليست اليهود علی شئی"(سورہ بقرہ پارہ ۱/ رکوع ۱۴) اور یہود تو کہتے ہیں کہ نصاری نہیں کسی راہ پر اور نصاری کہتے ہیں کہ یہود نہیں کسی راہ پر۔

راھب:"والذاریات ذرواً فالحملت وقراً فالجاریات یسراً فالمقسمٰت امراً"(سورہ ذاریات پارہ ۲۶/ رکوع ۱۸) ان آیات کی تفسیر کیا ہے؟

بایزید: ذاریات سے مراد ہوائیں ہیں اور حاملات سے مراد پانی سے بھرے ہوئے بادل اور جاریات سے مراد کشتیاں ہیں اور مقسمات سے مراد وہ فرشتے ہیں جو رزق تقسیم کرتے ہیں۔

راھب: وہ کیا چیز ہے جس کی طرف تنفس کی نسبت کی گئی ہے، مگر اس میں روح نہیں مگر پھر بھی تنفس موجود ہے؟

بایزید: وہ صبح صادق ہے، جس میں روح نہیں ہے لیکن تنفس موجود ہے"والصبح اذا تنفس".(سورہ تکویر پارہ ۳۰/ رکوع ۶)

راھب: وہ چودہ چیزیں کیا ہیں جن کو اللہ تعالیٰ سے تکلم کا شرف حاصل ہے؟

بایزید: ساتوں آسمان اور ساتوں زمین "فقال لھا وللارض آتیاطوعاً اوکرھاً قالتا اتینا طائعین" (سورہ حم السجدہ پارہ ۲۴/رکوع ۱۶) پھر کہا اس (آسمان) کو اور زمین کو آؤ تم دونوں خوشی سے یا زور سے، وہ بولے ہم آئے خوشی سے۔

راھب: وہ قبر کونسی ہے جو اپنے مردے کو لئے پھری؟

بایزید: حضرت یونس علیہ السلام کی مچھلی "فالتقمہ الحوت" (سورہ صافات پ۲۳/رکوع ۹) پھر لقمہ کیا اس کو مچھلی نے۔

راھب: وہ کون سا پانی ہے جو نہ آسمان سے برسا اور نہ زمین سے نکالا گیا؟

بایزید: حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو جو پانی بھیجا تھا وہ گھوڑوں کا پسینہ تھا جو نہ آسمان سے برسا اور نہ زمین سے نکلا۔

راھب: وہ چار چیزیں بتاؤ جو نہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئیں اور نہ باپ کی پیٹھ سے گذری ہوں؟

بایزید: حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مینڈھا، حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اور حضرت آدم وحوا علیہما السلام۔

راھب: سب سے پہلا خون جو زمین پر بہا وہ کس کا تھا؟

بایزید: سب سے پہلا خون ہابیل کا تھا جو قابیل نے بہایا۔

راھب: وہ کونسی چیز ہے جس کو خدا نے خود ہی پیدا فرما کر خرید لیا؟

بایزید: مومن کا نفس "اِن اللّٰہ اشتری من المومنین انفسھم" (سورہ توبہ پارہ ۱۱/رکوع ۳) اللہ تعالیٰ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان۔

راھب: وہ کون سی آواز ہے جس کو خدا تعالیٰ نے پیدا کیا اور پھر اس کی برائی بیان کی؟

بایزید: وہ گدھے کی آواز ہے "ان انکرالاصوات لصوت الحمیر"(سورۃ لقمان پارہ ۲۱/ رکوع ۱۱) بے شک بری سے بری آواز گدھے کی آواز ہے۔

راھب: وہ کون سی مخلوق ہے جس کو خدا نے پیدا کیا اور اس کی عظمت سے خوف دلایا؟

بایزید: عورت کا مکر" ان کیدکن عظیم"(سورہ یوسف پارہ ۱۲/رکوع ۱۴) البتہ تمہارا فریب بڑا ہے۔

راھب: وہ کیا چیز ہے جس کو خود ہی خدا نے پیدا کیا اور پھر خود ہی اسکے متعلق سوال کیا؟

بایزید: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہے" وماتلك بیمینك یاموسی قال ھی عصای"(سوہ طہ پارہ ۱۶/ رکوع ۱۰) اور یہ کیا ہے تیرے داہنے ہاتھ میں اے موسیٰ! فرمایا یہ میری لاٹھی ہے۔

راھب: عورتوں میں بزرگ ترین عورتیں اور دریاؤں میں سب سے افضل دریا کون سے ہیں؟

بایزید: عورتوں میں حضرت حوا، حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت عائشہ، حضرت آسیہ، حضرت فاطمہ، حضرت مریم اور دریاؤں میں افضل جیحون، سیحون، دجلہ، فرات اور نیل ہیں۔

راھب: بزرگ ترین پہاڑ اور بزرگ ترین چوپائے کون کون سے ہیں؟

بایزید: جبل طور اور گھوڑے۔

راھب: مہینوں میں بہتر مہینہ کون سا ہے اور راتوں میں بہتر رات کون سی ہے؟

بایزید: بہتر مہینہ رمضان المبارک ہے "شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن" (سورۃ بقرہ پارہ ۲/رکوع ۷) **رمضان کا مہینہ جس میں نازل ہوا قرآن اور بہتر رات لیلۃ القدر ہے** "لیلۃ القدر خیرمن الف شھر" (سورہ القدر پارہ ۲۲) **شب قدر بہتر ہے ہزار مہینہ سے۔**

راھب: **ایک درخت میں بارہ ٹہنیاں ہیں اور ہر ٹہنی میں ۳۰/پتے ہیں اور ہر پتے میں ۵/پھول ہیں، دو دھوپ میں ہیں اور تین پھولوں پر سایہ ہے؟**

بایزید: درخت سے مراد سال ہے اور ٹہنیوں سے مراد ۱۲/مہینے ہیں، پتوں سے مراد ۳۰/دن ہیں، پھولوں سے مراد ۵/نمازیں ہیں اور ان میں دو دھوپ میں ظہر اور عصر اور تین سایہ میں مغرب، عشاء اور فجر ہیں۔

راھب: وہ کیا شئی ہے جس نے کعبۃ اللہ کا طواف کیا، حالانکہ اس میں نہ روح ہے اور نہ اس پر حج فرض ہے؟

بایزید: حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جب طوفان کی حالت میں جزیرۃ العرب پہنچی تو بیت اللہ کا طواف کیا۔

راھب: اللہ تعالی نے کتنے نبی مرسل پیدا کئے اور کتنے غیر مرسل؟

بایزید: صحیح علم تو اللہ تعالی ہی کو ہے لیکن روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہوئے ہیں، جن میں سے ۳۱۳/مرسل باقی غیر مرسل تھے۔

راھب: وہ چار چیزیں کونسی ہیں جن کی اصل تو ایک ہے مگر ان کا رنگ و مزہ مختلف ہے؟

بایزید: آنکھ، کان، ناک اور منھ کی رطوبت:

آنکھ کا پانی کھارا، کان کا پانی کڑوا، منہ کا تھوک میٹھا اور ناک کی رطوبت ترش بودار ہے ان کی اصل ایک ہے دماغ، یہ چاروں رطوبتیں دماغ سے ہی آتی ہیں۔

راھب: گدھا اپنی آواز میں کیا کہتا ہے؟

بایزید: "لعن اللہ العشار" خدا ٹیکس وصول کرنے والے پر لعنت کرے۔

راھب: کتے کی آواز کیا ہے؟

بایزید: "ویل لاھل النار من غضب اللہ" اہل جہنم پر خدا کے غضب سے ہلاکت نازل ہو۔

راھب: بیل کی تسبیح کیا ہے؟

بایزید: "سبحان اللہ و بحمدہ" پاک ہے اللہ اور اسی کی سب تعریف ہے۔

راھب: اونٹ کی تسبیح کیا ہے؟

بایزید: "حسبنا اللہ و کفی باللہ و کیلاً" کافی ہے ہم کو اللہ اور اللہ کافی ہے کارساز۔

راھب: طاؤس کی تسبیح کیا ہے؟

بایزید: "الرحمن علی العرش استوی" وہ بڑا مہربان عرش پر قائم ہوا۔

راھب: بلبل کی خوش الحانی کیا ہے؟

بایزید: "سبحان اللہ حین تمسون و حین تصبحون" سو پاک ہے وہ ذات، اللہ کی یاد کرو جب شام کرو اور جب صبح کرو۔

راھب: وہ کیا چیز ہے جس پر خدا نے وحی بھیجی لیکن نہ وہ انسان ہے نہ جن، نہ فرشتہ؟

بایزید: شہد کی مکھی "واوحیٰ ربك الی النحل" اور حکم دیا تیرے رب نے شہد کی مکھی کو۔

اس کے بعد راہب نے کوئی سوال نہ کیا خاموش ہو گیا اب حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اب تو میرے ایک سوال کا جواب دیدے کہ جنت کی کنجی کیا ہے۔

راھب: اگر میں نے اس سوال کا صحیح جواب دے دیا تو یہ مجمع مجھے ختم کر دے گا، مجمع کے سب لوگوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہرگز نہیں ہم

تمہیں قتل نہیں کریں گے، تو صحیح جواب دیدے، راہب نے کہا پھر سن لو جنت کی کنجی ہے "لاالہ الا اللہ محمدرسول اللہ" راہب کی یہ بات سن کر تمام مجمع نے کلمہ طیبہ پڑھا اور حضرت بایزیدؒ کے ہاتھوں پر مسلمان ہوگئے، حضرت بایزید خوشی خوشی واپس تشریف لائے اور خدا کا شکرادا کیا۔

۲۶۱ھ شعبان المعظم کی ۱۵رتاریخ کو آپ کا وصال ہوا آپ نے عمر بھر روزے رکھے، قرآن مجید کو لاتعداد مرتبہ مکمل کیا، راتوں کو نمازیں اور نوافل پڑھے، آپ کو سلطان العارفین کا درجہ حاصل ہوا ''ذلك فضل اللہ یؤتیه من یشاء''۔

اعلان

دولیڈی معلمات کی ضرورت

مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے تحت چلنے والے لڑکیوں کے ادارہ ''جامعۃ فاطمۃ الزہراء للبنات'' میں فوری طور پر انگریزی پڑھانے والی ایک ایسی ٹیچر کی ضرورت ہے، جو انگریزی زبان پر عبور رکھنے کے ساتھ ساتھ تدریسی ذوق رکھتی ہو۔

دوسرے ایک حافظہ یا ناظرہ جو قرآن شریف مع تجوید پڑھانے کی صلاحیت رکھتی ہوں اور جو بچیوں کی صحیح تربیت دے سکتی ہو۔

خواہش مند معلمات اپنے تمام تر اسنادی کاغذات کے ساتھ ناظم ادارہ سے رابطہ قائم کریں، واضح رہے کہ ہمارے یہاں پردے کے ساتھ رہائش کا معقول انتظام ہے، تنخواہ حسب لیاقت دی جائے گی۔

ایک عالم فاضل کی ضرورت

جامعہ الامام ابی الحسن الاسلامیہ کے لیے ایک ایسے عالم فاضل ندوی کی ضرورت ہے جو درس وتدریس اور مضمون نگاری کی صلاحیت رکھتا ہو، اور بچوں کی صحیح تعلیم تربیت کرسکے، خواہش مند حضرات مندرجہ ذیل پتہ پر رابطہ کریں۔

رابطے کا پتہ

ناظم مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

فون نمبر: 0132-3205676 0132-2775452

9758915267 9719831058

دو بوند زندگی کی

پلس پولیو

برادران ملت! السلام علیکم

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ پلس پولیو مہم بڑی خوبی سے کامیابی کے مراحل طے کررہی ہے، جس کے لیے علماء کرام، مساجد کے ائمہ حضرات، اہل ایمان ڈاکٹر وسائنسداں اور دانشوران قوم سبھی کا اہم کردار رہا ہے۔

بچوں کی فلاح وصحت مند مستقبل کے لیے چلائی جارہی اس مہم کی ہم پرزور تائید وحمایت کرتے ہیں، کیونکہ اب یہ بات مکمل طور پر ثابت ہوچکی ہے کہ اس دوا میں کوئی ایسا عنصر شامل نہیں ہے جو بچوں کو نامرد بناتا ہو یا کوئی دیگر بیماری پیدا کرتا ہو، اس ضمن میں ہم نے خود اہل ایمان ڈاکٹروں اور سائنسدانوں سے رجوع کیا اور پولیو ڈراپ سے متعلق حقائق جانے اور ان کو شرعی نکتہ نگاہ سے جانچا پرکھا، اب ہم پورے وثوق سے یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ پولیو کے متعلق اکثر رسائل وجرائد میں چھاپے جانے والے شکوک وشبہات غیر ضروری اور غیر مستند ہیں، صحت کی حفاظت شرعاً ضروری ہے، لہٰذا اس دوا کو پلانے سے قطعاً پرہیز نہیں کرنا چاہئے، آپ تمام سے درخواست ہے کہ ہم اپنے بچوں کو یہ دوا پابندی سے پلاتے ہیں، یہ ہمارے بچوں کی صحت وخوشحال مستقبل کے لیے بہت ضروری ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اس کار خیر میں کامیاب کرے۔ آمین

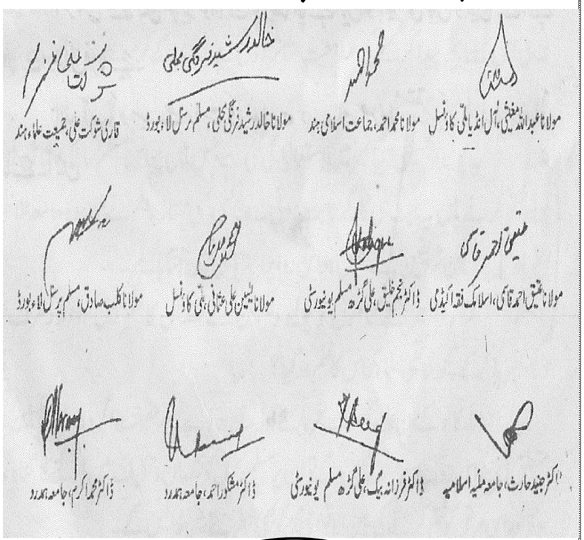

جاری کردہ

DR.NATASHA AHMAD. Surveillance Medical Officer
NPSP. Unit Saharanur (U.p) Ph. 2716052

تبصرے

نئی کتابوں پر تبصرہ

محمد مسعود عزیزی ندوی

نام کتاب: فدائے ملت نمبر
خاص اشاعت: ماہنامہ ندائے شاہی
مرتب: مفتی محمد سلمان منصور پوری
اشاعت: ربیع الاول ۱۴۱۸ھ م اپریل ۲۰۰۷ء
صفحات: ۷۸۸ قیمت ۳۰۰ روپئے
شائع کردہ: جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

زیر تبصرہ کتاب ماہنامہ ندائے شاہی کی خصوصی اشاعت ہے، جو فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی سابق صدر جمعیۃ علماء ہند نوراللہ مرقدہٗ کی حیات وخدمات پر ایک دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے، مرتب محترم مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری جن کو اللہ تعالیٰ نے اچھا ذوق اور ملکہ عطا کیا ہے، انہوں نے اپنی محنتوں اور کوششوں سے ندائے شاہی کو ملک کا مقبول ترین اور کثیر تعداد میں شائع ہونے والا مجلّہ بنا دیا ہے، مولانائے محترم نے اس سے قبل بھی ندائے شاہی کی خصوصی اشاعتیں کی ہیں جو بہت مقبول ہوئیں اور پسند کی گئی ہیں، زیر نظر خصوصی نمبر میں بھی جو مستقل ایک ضخیم کتاب ایک عہد کی تاریخ اور ایک جامع دستاویز بلکہ حضرت فدائے ملت کی زندگی پر ایک انسائیکلوپیڈیا ہے، مولانا کی حسن ترتیب اور انتخاب مضامین کے صاف ستھرے ذوق کی عکاسی نظر آتی ہے، کتابت وطباعت بھی عمدہ اور سرورق بھی سادگی کے ساتھ جاذب نظر اور دلکش ہے، مولانا نے ترتیب مضامین میں پہلے اپنے معروف وقدیم کالم نور ہدایت پھر اکابرین کے پیغامات اور عرض مرتب اس کے بعد ۱۲ مجموعی ابواب مرتب کئے ہیں جن پر اجمالی نظر ڈالی جائے تو وہ اس طرح ہیں: آئینہ فدائے ملت حیات وخدمات پر اجمالی نظر، تعلیم وتدریس، دعوت وارشاد، فدائے ملت اور جمعیۃ علماء ہند، چند روشن خدمات، چند اہم تراشے، منتخب خطبات، سانحۂ وفات اور ہمہ گیر تعزیت، خراج عقیدت، وابستہ یادیں، خانوادۂ فدائے ملت، منظومات ومراثی، جس میں حضرت فدائے ملت کی ہمہ جہت زندگی پر ۱۵۰ر مضامین اور ۳۹ر مرثیے اور نظمیں ہیں، مجموعی اعتبار سے کتاب ایسی ہے جس کے مطالعہ سے قاری کے دل میں ایک جذبہ ابھرتا ہے، کہ زندگی میں کچھ کر گذرنا چاہئے، غرضیکہ انقلابی زندگی کے لیے مہمیز کا کام دینے والی یہ عظیم الشان کتاب ہے جس کا مطالعہ سیرت وسوانح اور تاریخ کے ہر طالب علم کے لیے انتہائی ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کتاب کو بھی حضرت فدائے ملت کی طرح مقبولیت ومحبوبیت عطا فرمائے۔ آمین

نام کتاب: تذکرۃ شیخ الطریقت الحاج آزاد رسول صاحبؒ
نام مؤلف: پروفیسر بدرالدین الحافظ
صفحات: ۱۱۲
قیمت: ۳۰ روپئے
ناشر: نئی کتاب پبلشرز ڈی ۲۴ر ابوالفضل انکلیو پارٹ ا جامع نگر نئی دہلی ۲۵

زیر تبصرہ کتاب میں مصنف خود رقمطراز ہیں کہ ”میں نے اس کتاب کو مدرسہ ابتدائی، آزاد رسول صاحب اور بدرالدین کے حالات پر مشتمل پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور ایسی حالت میں جب میرے قلم سے ان کا بیان ہو تو تینوں میں سے کسی ایک کو جدا کر دیا جائے، یہ کیسے ممکن ہے؟ اس لیے کسی کے ذہن میں خاکسار کی خودنمائی کا گمان نہیں ہونا چاہئے، اس کا اندازہ پوری کتاب کے مضامین سے ہو جائے گا، یہ کتاب کوئی آزاد صاحب کی سوانح عمری نہیں ہے بلکہ ایک خاص دور کے حالات کی سچی تصویر ہے، جس سے ان کی شخصیت کے کارنامے سامنے آئیں گے“۔

کتاب کے مصنف مولانا پروفیسر بدرالدین الحافظ ایک اچھے عالم دین اور ایم اے ہیں، ان کی متعدد کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہو کر اہل ذوق کی تسکین کا سامان بن چکی ہیں، جس کی وجہ سے بدر صاحب کی شخصیت اہل علم دوستوں کے نزدیک مسلم اور معروف ہے، ان کی تحریر میں سادگی کے ساتھ جاذبیت اور فکر وتحقیق کے ساتھ حلاوت وشیرینی بھی ہے، زیر تبصرہ کتاب میں انہوں نے آزاد صاحب کے ساتھ اپنی بے تکلفی اور ان کے ساتھ پیش آنے والے واقعات نیز ان کی زندگی کے قابل عبرت ودرس پہلوؤں کو بڑے اچھوتے اسلوب میں بیان کیا ہے، اس لحاظ سے یہ کتاب بڑی اچھی معلومات افزا اور زندگی میں پیش آنے والے بہت سے مسائل کے حل کے لیے مہمیز کا کام کرے گی، پروفیسر بدر صاحب اس کتاب کی وادی سے جس خوبصورتی سے گزرے ہیں اس پر وہ قابل مبارکباد ہیں، اللہ تعالیٰ کتاب کو قبول فرمائے اور اس میں عبرت ونصیحت کے جو پہلو ہیں ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

مراسلات

Markazu Ihyail Fikril Islami Muzffarabad.Saharanpur(u.p)

بخدمت محترم ومکرم جناب مدیر اعلی صاحب ماہنامہ ''نقوش اسلام''

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' موصول ہوا، بہت خوشی ہوئی لیکن جب نئی کتب پر تبصرہ کے ذیل میں ''حقانی تبصرے'' پر تبصرہ پڑھا، تو خوشی کی انتہا نہ رہی، دل میں آپ کے لیے تشکر وامتنان کا ایک سمندر ہے جو موجزن ہے، آپ کا یہ تبصرہ بالیقین ادراک فن ہے، چھوٹی تقطیع میں بڑے کاغذ پر آپ نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا، آپ کا یہ تبصرہ ہمارے ''القاسم'' کے تین صفحات کے برابر ہے، دل سے دعائیں نکل رہی ہیں، اللہ تعالی ہمیں اور آپ کو شخصیت پرستی اور مفاد پرستی سے بچائے رکھے۔

دینی موضوعات پر لکھی گئی کتب پر ''تبصرے'' دراصل ان کے پھیلاؤ کا سبب بنتے ہیں جن پر ملنے والے ثواب کا اجر متعدی ہوتا ہے، اس اجر میں ''تبصرہ'' کرنے والا یقیناً حصہ پائے گا، دنیا میں تحسین کی صورت اور آخرت میں تمکین کی صورت کہ یہ تمکین خلد بریں میں ہوگی اور مجھے یقین ہے کہ ان تبصروں پر تبصرہ بھی اجر جزیل کا مستحق ہوگا، بہت بہت شکریہ!

والسلام

عبدالقیوم حقانی ''ماہنامہ القاسم''

خالق آباد، نوشہرہ سرحد پاکستان

مکرمی! سلام مسنون

جون کے شمارے کا سرورق اور اندر بھی محنت نظر آئی، خوشی ہوتی ہے اور دل دعائیں نکلتی ہیں، اللہ شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین

سلمان نقوی ندوی

مدرسہ فلاح المسلمین رائے بریلی

محترمی ومکرمی جناب چیف ایڈیٹر صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

ماہ جون کا شمارہ ''نقوش اسلام'' موصول ہوا، مضامین ماشاء اللہ نہایت اچھوتے اور دلکش نظر آئے، اہم بات یہ ہے کہ اس ماہ کے رسالہ کا ٹائٹل نہایت خوبصورت اور جاذب نظر ہے، اس کے سرورق کو دیکھ کر ہر ایک شخص اس کی تعریف وتوصیف پر مجبور ہے، تمام ہی مضامین قابل تعریف اور لائق تحسین ہیں، خصوصاً مولانا حمید اللہ صاحب قاسمی کا اداریہ بعنوان ''غلاموں اور ماتحتوں کے ساتھ ہمارا برتاؤ'' نہایت بصیرت آمیز اور تمام لوگوں کے لیے مشعل راہ اور قابل عمل ہے، آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ماتحتوں اور خادموں کے ساتھ شفقت ومحبت کا معاملہ کیا جائے، ان کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کیا جائے، ان اسلامی تعلیمات پر اگر انسان عمل پیرا ہو جائے تو آج ہمارے معاشرے سے بہت سے جرائم اور بہت سی برائیاں ختم ہو جائیں، اللہ تعالی ہم سبھی کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ امین

محمد شریف مظاہری قاسمی

مدرسہ عربیہ نعمانیہ پرانا کٹرہ الہ آباد (یوپی)

مکارم اخلاق جناب مدیر محترم

مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی عمت فیوضکم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ جناب والا مع اہل بیت وکارکنان ''نقوش اسلام'' بعافیت ہوں گے۔

عرض اینکہ ماہنامہ ''نقوش اسلام'' اپنی تمام تر رعنائیوں اور خوبیوں کے ساتھ ہر ماہ پابندی سے موصول ہو رہا ہے، الحمد للہ مضامین پڑھ کر دل باغ باغ ہو جاتا ہے، اور اس کا اس قلیل مدت میں ملک وبیرون ملک میں شہرت حاصل کر لینا مزید مسرت کا باعث اور اس کی مقبولیت کی واضح دلیل ہے، جس سے بداہتاً یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس رسالہ نے صحافت کی دنیا میں اپنا ایک نمایاں مقام حاصل کر لیا ہے، دعا ہے کہ اللہ رب العزت اس رسالہ کو شر وروفتن سے محفوظ رکھے اور مزید ترقیات سے نوازے، آمین یارب العالمین۔

دیگر عرض اینکہ ایک مضمون بعنوان ''تصویر سازی اور اس کی شرعی حیثیت'' آپ کے مؤقر رسالہ کے لیے مرسل ہے، اگر گنجائش ہو اور مناسب سمجھیں تو شامل رسالہ کرنے کی زحمت گوارہ فرما کر حوصلہ افزائی فرمائیں۔ دعا گو

مرغوب الرحمٰن چتراوی

دارالعلوم دیوبند، سہارنپور

حالات حاضرہ

عالمی خبریں News World

حافظ عبدالستار عزیزی

عرب دنیا کی پہلی ڈیجیٹل لائبریری

مکہ مکرمہ میں ام القریٰ یونیورسٹی میں عرب دنیا کی پہلی ڈیجیٹل لائبریری مکمل کرلی گئی ہے، یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر الصالح نے اس کی رسم افتتاح انجام دی، اب دنیا بھر کے ریسرچ اسکالر، اساتذہ اور طلباء اس سے بھرپور استفادہ کرسکتے ہیں۔

مسابقہ قرآن کریم

۲۵/۲۶/اپریل بروز چہارشنبہ وپنجشنبہ ۲۰۰۷ء کو جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ میں ایک عظیم الشان مسابقۃ القرآن الکریم حضرت مولانا غلام محمد وستانوی کی سرپرستی میں منعقد ہوا، جس میں ضلع سہارنپور کے اکثر مدارس کے طلبہ کرام نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، جن میں مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے ۵/ بچوں نے بھی شرکت کی۔

فرانس میں مساجد کی تعداد ۱۶۰۰/ سے تجاوز کرگئی

فرانس-مساجد تعمیر کرنے کے لیے قانونی پیچیدگیوں کے باوجود فرانس میں روز بروز مساجد میں اضافہ ہورہا ہے، فرانسیسی شہری بھی بڑی تعداد میں مشرف بہ اسلام ہورہے ہیں، فرانس کے پہاڑی علاقہ الباء میں نئی مسجد کا افتتاح ہوا، مسجد کا نام خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی کے نام پر رکھا گیا ہے، فرانس کی مجلس اسلامیہ کے سربراہ وکیل ابوبکر نے مسجد کا افتتاح کیا، مسجد کا رقبہ ۲/سو میٹر مربع پر مشتمل ہے اور اس میں ایک ہزار افراد کے نماز پڑھنے کی گنجائش ہے، مسجد تین منزلوں پر مشتمل ہے، ایک حصہ وسیع لائبریری کے قیام کے لیے مخصوص کیا گیا، مسجد کے زیرزمین کارپارکنگ کے لیے جگہ کا انتظام کیا گیا ہے، فرانس کی موجودہ صورت حال میں فرانسیسی حکومت نے بہت ساری قانونی پیچیدگیاں پیدا کیں، جس کی وجہ سے وہاں پر مساجد کا قیام ایک انتہائی مشکل کام ہے، علاوہ ازیں فرانس میں حجاب پر پابندی کے بعد تمام لوگوں میں اسلام کی طرف رغبت بڑھتی جارہی ہے، دسیوں فرانسیسی اسلام قبول کرچکے ہیں، جب کہ روزانہ فرانسیسی اسلام میں داخل ہورہے ہیں۔

جلسہ سیرت النبی وتقسیم انعامات

۸/جون: مرکز الدعوۃ والتعلیم کے زیراہتمام جلسہ سیرت النبی وتقسیم انعامات کا پروگرام منعقد ہوا، جس میں متعدد اہل علم اور سیاسی رہنماؤں نے شرکت کی، سیرت کے امتحان میں کامیاب ہونیوالے طلبہ کو گرانقدر انعامات سے نوازا گیا۔

وفیات

۲۸/مارچ کو ماہنامہ ارمغان کے ایڈیٹر مولانا وصی سلیمان ندوی کے والد ماجد جناب علی احمد صاحب ایک طویل علالت کے بعد اپنے رب کریم سے جاملے، وہ بہت ہی دیندار اور دعوتی جذبہ رکھنے والے انسان تھے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

۲۳/اپریل کو مشہور داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد کلیم صاحب صدیقی کی والدہ محترمہ سیدہ زبیدہ خاتون تین ماہ کی مسلسل علالت کے بعد اپنے خالق کے دربار میں حاضر ہوگئیں وہ بہت ہی مخیرؔ، دوسروں کا خیال رکھنے والی، عابدہ زاہدہ خاتون اور ایک داعی الی اللہ اور ناشر رشد وہدایت کی والدہ محترمہ تھیں، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرماکر ان کے درجات بلند فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائے۔

یکم جون ۲۰۰۷ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ناصر علی صاحب ندوی کا سانحہ ارتحال پیش آیا، وہ تقریباً ۷۳/سال کے تھے، ندوۃ العلماء میں ان کا درس ان کی وقت کی پابندی اور ان کے اپنی زندگی کے اصول وضوابط مشہور تھے، ان کے انتقال سے ندوۃ العلماء ایک بہترین محدث وفقیہ سے محروم ہوگیا، اللہ تعالیٰ حضرت والا کے درجات کو بلند فرمائے، اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

نقوش اسلام کے قارئین اور تمام مسلمانوں سے مرحومین کے لیے مغفرت اور درجات کی بلندی کے لیے دعاء کی درخواست ہے۔